علّامہ رشید تُرابی

*

مجالسِ تُرابی

مرکزِ علومِ اسلامیہ

مجالسِ تُرابی

علامہ رشید ترابی

ادارۂ مرکزِ عُلومِ اسلامیہ کراچی

علامہ رشید ترابی مرحوم کی مجالس آپ کے صاحبزادے
نصیر ترابی صاحب کی اجازت کے بعد شائع کی گئی ہیں

(مرتبہ:۔ ضمیر اختر نقوی)

اشاعت ـــــــ ۱۹۸۴ء

طباعت ـــــــ ڈلینیٹ پریس کراچی

کتابت ـــــــ عامر رضا نقوی

قیمت ـــــــ بیس روپے (۲۰)

ملنے کا پتہ

ادارہ مرکزِ علومِ اسلامیہ ۔ ۴۔ ایچ رضویہ سوسائٹی کراچی ۱۸

محفوظ بک ایجنسی ۔ امام بارگاہ شاہ نجف کراچی ۳

احمد بک ڈپو پھاٹک امام بارگاہ شاہ کربلا رضویہ سوسائٹی کراچی ۱۸

ترتیب

ہدایتِ الٰہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (سورہ قصص آیت ۵۶)

یہ آیت علمائے اسلام میں ایک اختلافی مسئلہ بن کر رہ گئی۔ اور اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ اس کی ہدایت نہیں کرسکتے جس کو آپ دوست رکھتے ہوں جس سے آپ محبت کرتے ہوں، لیکن خدا جس کے لئے چاہتا ہے ہدایت کے دروازے کو کھول دیتا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہے۔

صاحب کشاف نے زمخشری نے بڑا زور قلم صرف کیا کہ اجماع مسلمین ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے لئے ہے، جن کے لئے پیغمبر کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ہدایت پاجاتے مگر یہ کہ وہ ہدایت نہ پاسکے اور ان کے لئے یہ آیت آئی ہے۔

ہم اس سے پہلے بھی اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں اور بشرط توفیق الٰہی اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ضرورت ہے اس سلسلے میں آپ کو معلوم ہے قرآن مجید کی کوئی آیت ہو اس کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ اجلۂ صحابہ یہ فیصلہ کریں کہ یہ آیت کہاں اور کب، کیسے، کس طرح اور کس کے لئے نازل ہوئی۔ اس سورۂ قصص کی آیت کے سلسلے میں سلسلۂ روات یہ ہے۔ ابو سہل سری روایت

کرتے ہیں عبدالقدوس دمشقی سے اور عبدالقدوس دمشقی روایت کرتے ہیں ابو صالح سے اور ابو صالح روایت کرتے ہیں عبداللہ ابن عباس سے کہ وہ کہتے تھے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کے لئے نازل ہوتی ہے۔ یعنی ختمی مرتبتؐ نے بے حد اصرار کیا کہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن نہ ہوئے۔ آیت نے صاف کہہ دیا کہ اے رسولؐ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔

اب اس سلسلے میں ذہبی جو رجال کا سب سے بڑا ماہر ہے سارے عالم اسلام کا "میزان الاعتدال" اس کی کتاب کا نام ہے۔ اس کتاب میں اس نے نقد و نظر سے کام لیا ہے کہ کون راوی کذاب ہے۔ کون راوی کمزور ہے کون راوی ضعیف ہے، کون راوی ثقہ ہے، کون راوی وضاع ہے۔ ساری چیزیں ہیں۔ ذہبی نے بحث کرتے ہوئے لکھا کہ ابو سہل سری کا یہ مشغلہ تھا کہ وہ جس محفل میں بیٹھتے حدیث کو کسی طریقے سے بیان کرتے۔ یعنی ایک ہی حدیث کو الفاظ بدل بدل کر بیان کرتے، مختلف طریقوں سے حدیث بیان کرتے یعنی ایک طریقہ دوسرے طریقے کی ضد ہوتا تھا۔ ذہبی نے کہا کہ ابو سہل سری وضاع ہے، یعنی حدیث وضع کرنے والا۔ ذہبی نے صاف صاف لکھا کہ یہ کذاب ہے،

اب دوسرے راوی ہیں عبدالقدوس دمشقی، ذہبی نے ان کے متعلق کہا کہ کسی معتبر محدث نے ان سے روایت نہیں کی، علم رجال کے کسی ماہر نے ان کو ثقہ نہیں مانا۔ یہ اپنی مرضی سے احادیث کو ڈھالنے کے ماہر تھے۔ ان کا شمار بھی کاذبین میں ہے۔ اور اب تیسرے راوی ابو صالح ہیں، ذہبی نے کہا سر بازار کھڑے ہو کر ڈاکہ ڈالنا بہتر ہے بجائے اس کے کہ ان سے روایت کی جائے، ان کے متعلق یہ ہے کہ یہ روایتوں میں چوری کرنے کے عادی ہیں، کچھ ادھر سے لیا اور کچھ ادھر سے لیا۔ اور پانچویں راوی عبداللہ ابن عباس ہیں، ان کا حال

یہ ہے کہ یہ اسی سال پیدا ہوئے جس سال ابو طالبؑ کا انتقال ہوا، ہجرت سے تین برس پہلے یہ پیدا ہوئے، جو بچہ ابھی پیدا ہوا ہے اس کو کیسے خبر ہے کہ یہ آیت کس کے لیے نازل ہوئی ہے۔

اب یہ ہم نے رجال کے اعتبار سے پوری روایت کی تشخیص کی اور نقد و نظر و تبصرہ کیا۔ اگر آپ یاد رکھ سکیں اور آپ کا حافظہ ساتھ دے تو یاد رکھئے کہ پہلا راوی ابو سہل سری، دوسرا راوی عبدالقدوس دمشقی، تیسرا راوی ابو صالح، چوتھا راوی عبداللہ ابن عباس، کس اعتبار سے اس حدیث کو معتبر سمجھا جائے تین راویوں کا تذکرہ تو ہو چکا۔ اب دوسرے اس سلسلے میں روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے یہ ابو طالبؑ کے انتقال کے وقت پانچ برس کے ہیں، یہ بھی کیسے بتا سکتے ہیں کہ یہ آیت کس کے لئے ہے۔ اب اس روایت کا سلسلہ ابو ہریرہ سے بھی بیان کیا جاتا ہے، ہجرت سے تین برس پہلے ابو طالبؑ کا انتقال ہوا، اس کے بعد ہجرت ہے، ہجرت کے بعد بدر ہے، بدر کے بعد احد ہے، احد کے بعد خیبر ہے۔ ابو ہریرہ خیبر میں مسلمان ہوئے ہیں۔ جو خیبر میں مسلمان ہوا وہ ابو طالبؑ کے لیے کیا بتا سکتا ہے۔ ان کا ابو طالبؑ کے لئے کوئی حکم لگانا ہمارے لئے سند نہیں ہے۔

چوتھی چیز جب یہ طے پا چکا کہ، جیسا کہ کہا گیا کہ اگر اجماع مسلمین ہے کہ یہ آیت ابو طالبؑ کے لئے آئی ہے تو اس اجماعِ مسلمین میں اہلبیتؑ کی احادیث بھی شامل ہیں یا نہیں۔؟ اگر اہلبیتؑ داخل نہیں تو اجماع ثابت نہیں ہے۔ اور اگر اہلبیتؑ داخل ہیں تو انھوں نے اول سے آخر تک یہ کہنے کی کوشش کی ہے، ابتداء سے انتہا تک یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نہ صرف ایمان تھا بلکہ ابو طالبؑ ایمان میں کامل و اکمل تھے، اور جو چیز یاد رکھنے کے قابل ہے ائمہ علیہم السلام نے کہا کہ مسلمان ایک

دھوکے میں نہ رہیں کہ ان کی شفاعت کوئی کرے گا، ان کے لئے طلب مغفرت کون کرے گا۔ وہ تو اس بلند منزل پر فائز ہیں کہ قیامت کے میدان میں جس کی جس طرح چاہیں شفاعت کریں۔

تو ہمارے پاس یہ بحث کہ ابوطالبؑ کا انجام کیا ہے، کوئی زیادہ مہم نہیں ہے، آپ جس پریشانی میں پڑے ہیں، اس پریشانی کو جان کر ہم اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ ان کا انجام مختلف فیہ ہے، لیکن ان کے آغاز پر ہم اور آپ دونوں متفق ہیں، ہم دونوں متحد ہیں کہ انھوں نے ہر موقع پر رسولؐ کی حمایت کی، رسول کی مدد کی بچپن سے پالا، اور پھر اس شان سے پالا کہ جہاں خداوند عز و علیٰ اعلیٰ سورۂ ضحیٰ میں ختمی مرتبت کا ذکر کرتے ہوتے یہ کہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَآوٰی کیا ہم نے تجھ کو یتیم نہیں پایا۔ اور کیا ہم نے تیری پرورش نہیں کی؟ تو اب آپ کی نظر میں ابوطالبؑ کا جو بھی انجام ہو، اللہ نے اپنی طرف ان کے عمل کو نسبت دے دی ہے، تو یتیم تھا، ہم نے تیری پرورش کی، تو اب آپ کے پاس جو بھی انجام ابوطالبؑ ہو، جہاں فعل ابوطالبؑ فعل الٰہی بن جائے۔ اپنی طرف عمل کو منسوب کر لیا کہ تو یتیم تھا ہم نے تیری پرورش کی۔

دنیا جان رہی ہے کہ اس دن سے پرورش کی ہے جب عبدالمطلب نے بیٹوں کو بلایا اور بلا کر ابوطالبؑ سے یہ کہا کہ عبداللہ کا نورِ نظر اب تمہارے حوالے، ابوطالبؑ کے حوالے کر دیا تو اسی دن سے بچے کی خدمت شروع کی تو ایک دو دن کا ساتھ نہیں ہے بلکہ پچاس برس کی حمایت ہے، یہ ساتھ ایک دو دن کا نہیں ہے بلکہ پچاس برس کا ساتھ ہے، پچاس برس تک حمایت کی ہے، اس طویل مدت کے ساتھی کو اگر انجام کے اعتبار سے قابل غور نہ سمجھئے تو چھوڑ دیجئے، یہ تو دیکھئے کہ خود علمائے اسلام کیا کہتے ہیں ابوطالبؑ کے متعلق۔ نقاد ابن سعد موسوی

جتنے بھی عالم گزرے ہیں یہ بھی ایک کڑی ہیں اس سلسلے کی ۔ یہ بھی ہمارے مشہور عالم ہیں ۔ علامہ حلی سے اور آگے اور شیخ الطائفہ محمد ابن حسن طوسی سے پہلے فخار ابن موسوی نے ایک کتاب لکھی " ایمان ابو طالبؑ " کتاب لکھ کر ابن ابی الحدید معتزلی کے پاس تحفتاً بھیج دی ۔ اگلے زمانے میں پریس تو نہیں تھا ، کتابیں ہاتھ سے ہی لکھی جاتی تھیں ، شاگرد لکھتے اور علماء ایک دوسرے کو تحفتاً بھیج دیتے تھے ، تاکہ ان کی رائے معلوم ہو ، جب کتاب ان کے پاس پہنچی تو ابن ابی الحدید معتزلی نے کتاب دیکھ کر کہا کہ ان مباحث کے بعد میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ ابو طالبؑ کے لئے کیا رائے قائم کی جائے ۔ تو انھوں نے وہی فیصلہ کیا جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں ۔ انھوں نے کہا کہ انجام کی بات تو چھوڑو سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے آغاز کو تو دیکھو ۔

وَلَوْلَا أَبُو طَالِبٍ وَابْنُهُ

لَمَا مَثُلَ الدِّينُ شَخْصاً فَقَامَا

اگر ابو طالبؑ اور ان کا بیٹا نہ ہوتا تو دین کی آج یہ صورت نہ ہوتی جو آج ہم دیکھ رہے ہیں ۔

فَذَاكَ بِمَكَّةَ آوَى وَحَامَى

وَهٰذَا بِيَثْرِبَ جَسَّ الحِمَامَا

اگر ابو طالبؑ نے محمدؐ کو مکہ میں پناہ دی اور حمایت کی تو بیٹے نے مدینے میں ان کی مدد کی نصرت کی حمایت کی ۔

اس منزل پر گفتگو کو پہنچا کر ہم پھر اس آیت کی طرف واپس آجائیں إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ آپ اس کی ہدایت نہیں کر سکتے جس کو آپ دوست رکھتے ہوں ، جس سے آپ محبت کرتے ہوں ، لیکن

خدا جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے، وہ بہتر جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہے۔ اس آیت میں دو لفظوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مَنْ اَحْبَبْتَ، جس سے تجھ کو محبت ہو اس کی ہدایت تو کیا کرے، کیوں کرے جس سے محبت کرے اس کی ہدایت کی ضرورت کیا ہے، تو ہدایت کیا کرے گا، ہدایت تو اللہ کرے گا۔ علتِ ہدایت تیری محبت نہیں ہے۔ ہدایت کے لئے کوئی رسولؐ کی محبت کو بہانہ نہ بنائے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ، خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اب تقریر کا رخ بدلا، اب مَنْ يَّشَآءُ پر گفتگو کریں۔ شاید اس سے پہلے بھی ہم گفتگو کر چکے ہیں کلام مجید میں یہ مَنْ يَّشَآءُ اور يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ (رعد آیت ۲۷) کئی مقامات پر آیا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت کی راہ پر ڈالتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اب ایک فیصلہ آپ کریں۔ یہ مَنْ يَّشَآءُ کو آپ کس طرف موڑنا چاہتے ہیں۔ کس طرف پھیرنا چاہتے ہیں، فاعل کون ہے، یعنی کوئی جابر ہے کوئی مستبد ہے کوئی خود پسند ہے، کوئی من مانی کرنے والا ہے۔ جب مَنْ يَّشَآءُ کہا تو تم کو پوچھنے کی ضرورت کیا ہے، ہم جو چاہیں گے کریں گے۔ جب یہ مَنْ يَّشَآءُ سمجھ میں نہ آیا تو گھبرا کر لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ اللہ انبیاء کو چاہے گا تو جہنم میں ڈال دے گا۔ اور یہ لکھ دیا کہ کفار کو چاہے گا تو جنت دے گا۔

آپ نے دیکھا تو یہ مَنْ يَّشَآءُ کے معنی نہیں ہیں۔ یہ تو دیکھو مَنْ يَّشَآءُ کون کہہ رہا ہے۔ عادل کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ حکیم کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ علیم کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ وہ جس کی مصلحتیں بہتر ہیں وہ کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ یعنی وہی چاہے گا جو اس کا عدل چاہے گا وہی چاہے گا جو اس کی حکمت چاہے گی وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ سورۂ ق آیت ۲۹ میں بندوں پر ظالم نہیں ہوں، کہ جس کو آزماتے اتنی

مہلت دے کر پچاس برس آزمائے اور پھر بھی ہدایت نہ دے آپ ملاحظہ فرمائیے
ہیں یہ من یشاء پر دھوکا ہوا ہے۔

اور خصوصاً پھر تصوف کی بھرمار ہیں ایسی آ گئی ہیں، بس اس کی مشیت بھلا بس اس کی مشیت جو چاہے کرے، عادل بھی تو سمجھو، قادر بھی تو سمجھو، ذات واجب کو حکیم بھی تو سمجھو، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، وہ غلط مقام پر کسی غلط شے کو نہیں رکھتا جب یہ طے ہو گیا تو پھر من یشاء کے معنی یہ ہیں جس میں صلاحیت ہو گی اسی کو دوں گا۔ جس میں صلاحیت نہیں ہو گی اس کو نہیں دوں گا۔ جس کی زبان استعداد ہمیشہ یہی کہتی رہے۔ ابوطالبؑ پیغمبرؐ کے لئے کہہ رہے ہیں۔

فَاَیَّدَہٗ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِہٖ

وَاَظْھَرَ دِیْنًا حَقُّہٗ غَیْرُ بَاطِلٖ

اللہ نے اس کی نصرت کی اپنی مدد سے اور اپنے سچے دین کو جو جھوٹا نہیں ہے ظاہر کیا۔

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُکَذَّبٌ

لَدَیْنَا وَلَا یُعْنٰی بِقَوْلِ الْاَبَاطِلٖ

اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ ہمارا بیٹا محمدؐ ہمارے نزدیک جھٹلایا ہوا نہیں ہے۔ یعنی ہم نے ان کے دعوئے نبوت کی تکذیب نہیں بلکہ تصدیق کی ہے، اور وہ تو باطل بات کبھی کہتے ہی نہیں، اور دوسروں کے اقوال باطلہ کی پروا نہیں کی جا سکتی۔

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ

ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلٖ

وہ سردار ایسے روشن چہرے والے ہیں کہ ان کے روئے مبارک کا واسطہ دے کر بارش کے لئے دعا کی جاتی ہے، وہ یتیموں و بیواؤں کا والی و وارث ہے

أَلَمْ تَعْلَمُوْا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِيًّا كَمُوسىٰ خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ

کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا ہے جیسے موسیٰ تھے اور یہ کہ انہی کا ذکر قدیم کتابوں میں کیا گیا تھا۔ ابو طالب کا یہ کہنا کہ ہم نے محمدؐ کو اسی طرح نبی برحق پایا جس طرح حضرت موسیٰ تھے۔ ابو طالبؑ کے اس قول کی تائید قرآن نے بھی کر دی یا ابو طالبؑ کے قول کو قرآن کی آیت بنا دی، إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (سورہ مزمل آیت ۱۵) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسے رسولؐ کو بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہیں، اسی طرح جیسے ہم نے فرعون کی طرف موسیٰؑ کو بھیجا تھا۔ اور دوسرے مصرع میں ابو طالبؑ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبیؐ ہیں جن کا ذکر قدیم کتابوں میں کیا گیا ہے، قرآن نے ابو طالبؑ کے اس قول کی بھی تصدیق اس طرح کر دی کہ ارشاد ہوا الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ (سورہ اعراف ۱۵۷) وہ لوگ جو اس رسولؐ و نبی امی کا اتباع کرتے ہیں وہ ان کے ذکر کو توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اب کیا خیال ہے ابو طالبؑ کے متعلق، جو اللہ کا قائل ہو، قیامت کا قائل ہو، کتب کا قائل ہو، آیت کا قائل ہو، جو وحی کے سورہ آتیں وہ لے جا کر کفار قریش کو پڑھ کر سنائے، وہ نبیؐ کے معجزات کا قائل ہو، نبیؐ کا حامی ہو، نبیؐ کی حمایت کرے۔ اگر نبیؐ کے ساتھ کوئی سخت کلامی کرے تو کمان سے ابولہب کی پیشانی پر ایسی ضرب لگائے کہ ابولہب کی پیشانی پھٹ جائے۔ اور اس کے باوجود بھی اگر دنیا یہ سمجھے کہ ہم انجام سے واقف نہیں ہیں تو یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ کسی کا انجام بگڑ گیا۔ اگر کوئی انجام سے واقف نہیں تو آغاز کو تو دیکھو، جہاں ابن ابی الحدید نے کہا

کہ اس نے مکہ میں حفاظت کی بیٹے نے مدینے میں حفاظت کی، ابھی شعر پڑھ چکا۔

میں نے زحمت دی آپ کو، ایک بات اور یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ختمی مرتبت کے لئے جتنی آیتیں آئیں ہیں۔ ان میں ایک آیت بہت اہم ہے جو سورۂ صف کی آیت ہے۔ ارشاد ہوا۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی (سورہ صف آیت ۹) اس نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایتوں کے ساتھ، نبی کی تعریف اور دوسرے مقام پر کہا کہ اِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورۃ شوریٰ آیت ۵۲) "تو ہدایت کرتا ہے صراط مستقیم کی طرف" اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۃ یونس میں واضح کیا جہاں ارشاد ہو اقُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ پوچھو ان سے کہ کوئی ہے تمہارا شریک کار، رفیق کار جو حق کی طرف ہدایت کرے۔ قُلِ اللّٰهُ یَهْدِیْ لِلْحَقِّ ؕ کہہ دو اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہ آیت غور سے سنئے۔ اَفَمَنْ یَّهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ (سورۃ یونس ۳۵) پس جس کی ہدایت ہو چکی ہو کیا اس کو اس کا زیادہ حق نہیں کہ وہ ہدایت کرے کیا وہ ہدایت کرسکتا ہے جو خود ہدایت میں ایک دوسرے کا محتاج ہو، آیت کو دیکھئے یا وہ ہدایت کرے گا جو ہدایت یافتہ نہ ہو، محتاج، محتاج کو کیا دے گا، وہ خود ہدایت کا طالب ہے۔

گزشتہ ماہ رمضان المبارک میں سورۃ توبہ کی تفسیر کرتے ہوئے میں نے ابوطالب کے لئے ایک دلیل پیش کی تھی، آپ کو یاد رکھنا چاہیئے۔ ایک نازک ترین وقت ہے اسلام پر، ایک ایسا سخت وقت ہے اسلام پر کہ اب خانۂ کعبہ میں مشرک نہیں آئے گا۔ کچھ یاد آیا آپ کو کہ یہ کون سا موقع ہے۔ بدر کے بعد، احد کے بعد، خیبر کے بعد، خندق کے بعد، فتح مکہ کے بعد، بت شکنی کے بعد، حنین کے بعد اب یہ آخری سال ہے۔ ۹ھ ہجری کو سورۃ برائت آیا۔ سورۃ توبہ آیا جاؤ اب جاکے

کیونکہ دو مشرک خانہ کعبہ میں نہ آئے ، رسولؐ کو بحکم وحی یہ احتیاط کرنی پڑی کہ آیتیں اس کے حوالے کی جائیں کہ پلٹ کر کوئی مشرک یہ نہ کہے کہ تمہارا باپ بھی تو مشرک تھا کسی سے لیا اور کسی کو دیا۔ اسی میں یہ رازِ پنہاں ہے کہ سیاست وقت الجھ گئی اس بات پر کہ جب تک ان کے انجام کو مشتبہ نہ کر دیں گے ، دل کو سکون نہیں ملے گا۔ اس لئے جب تاریخ لکھی گئی ، تو پھر ان یہ کوشش رہی کہ کہاں بڑی مدد کی ، بڑی حمایت کی کس کا یہ کارنامہ ہے تو ہم کو تو اس دنیا سے کام ہے ، بدر کی لڑائی کیسے ہوئی ، خندق میں کیا گزری ، خیبر کیسے فتح ہوا ، حنین کو کیسے سرانجام کیا ، بدر کی لڑائی کیسے سر ہوئی ، فتح مکہ کا انجام کیا ہے ۔ بت شکنی کیسے ہوئی ہم تو اسی دنیا کو دیکھ رہے ہیں ، آخرت کی خبریں یہاں بتلاؤ ، یہاں ایک ہی منزل پر بتلاؤ کہ بھتیجے نے کہا ہو ، چچا یہ چاہیئے ۔ اور چچا نے انکار کر دیا ہو ، کہیں تو دکھاؤ کہ کسی خواہش کی تکمیل نہ کی ہو ، بھتیجے کے حکم کو نہ مانا ہو ، بھتیجے کے کسی معجزے سے انکار کیا ہو ، قرآن مجید کی آیتوں کو نہ مانا ہو ، ارے قرآن کی آیتیں آئیں تو وہ کفار کو جا کر پڑھ کر سناتے اور قرآن مجید یہ پکارتا جاتا ہے۔ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (سورہ توبہ آیت ۱۲۴)

سورہ آیا تو کس کا ایمان بڑھ گیا۔ ایمان والے جو ہیں ، ان کا تو ایمان بڑھ جاتا ہے۔ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ (سورہ توبہ آیت ۱۲۵) اور وہاں نجاست پر نجاست بڑھتی جاتی ہے۔ شک پر شک بڑھتا جاتا ہے ، کوئی ابو طالب کے لئے یہ تو کہہ دے کہ کسی سورۃ میں شک ہوا ہو ، کسی آیت میں شک ہوا ہو ، ساری کشمکش اس بات پر کہ نزع کا ہنگام یہ تھا اور پھر روایت بھی عبداللہ ابن عباسؓ سے جو اسی سال پیدا ہوئے اس کے علاوہ کوئی روایت نہیں ہے۔

احترام رسول یہ ہے کہ رسولؐ جس کا احترام کرے ، رسولؐ جس کا لحاظ کرے ملت بھی اس میں پیچھے نہ ہٹے ، میں نے گفتگو ختم کی ، ہدایت یافتہ ہدایت کرے ، محتاج ہدایت جو ہو وہ ہدایت نہیں کر سکتا ، ایسے موقع پر اللہ اپنی ذات سے ہدایت کو منسوب کرے ، اسی آیت نے واضح کر دیا کہ اللہ نے ہدایت کی ، دوسرا پرورش کرے تو اپنی طرف نسبت دی ، اسی طرح منسوب کر رہا ہے کہ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا تم یتیم نہیں تھے اور کیا ہم نے تمہاری پرورش نہیں کی ۔ بالکل اسی طرح دوسرا ہدایت کرے تو اللہ اپنے سے نسبت دے رہا ہے کہ ہم نے ہدایت کی یہ امور یاد رکھنے کے قابل ہیں ظاہر ہیں کہ افکار ہیں ، معلومات ہیں بشرطیکہ ذہن میں رہ جائیں ، اب یہی سلسلہ کہ اتنی نصرت کی ، اتنی مدد کی ، اتنی حمایت کی کہ کفار قریش کے دل میں یہ کینہ رہ گیا کہ ابوطالبؑ نے اتنی مدد کی کہ بھتیجے کو بچایا ۔ ابوطالبؑ اگر مدد نہیں کرتے تو ہم مکہ میں ہی قتل کر دیتے ، ابوطالبؑ کے بعد جس نے مدینے میں مدد کی تو وہ ابوطالب کا غیر نہیں تھا ، ہر لڑائی میں وہ آگے تھا اس لیے کفار نے طے کیا کہ اب اگر ابوطالبؑ سے بدلہ لینا ہے تو ابوطالبؑ کی ذریت سے بدلہ لینا ہے ۔ ظاہر ہے ابوطالبؑ کی جگہ ان کا بیٹا آیا ۔ جب اسلام پہ وقت آیا تو ابوطالبؑ کا پوتا حسینؑ کھڑا ہو گیا ۔ آپؑ نے دیکھا کہ وہ بھی غیر نہیں ہے ۔ کربلا میں قیام حسینؑ قیام علیؑ ہے ۔ قیام ابوطالبؑ ہے ، کربلا میں ابوطالبؑ کی ذریت سے بدلہ لیا جا رہا تھا ۔

علی اکبرؑ ابوطالبؑ کی ذریت میں تھے ، علماء نے لکھا اگر علی اکبرؑ زندہ رہ جاتے تو حسنؑ اور حسینؑ کے بعد پھر دو بھائی امام ہوتے ، علیؑ علیؑ علیؑ ، حسینؑ نے اپنے سب بیٹوں کا نام علی اکبرؑ رکھا ۔ علی ابن الحسینؑ ، علی اکبرؑ ام لیلیٰ کے نور نظر علی اصغرؑ اقم ربابؑ کا چھ مہینے والا ، علی اکبرؑ ، یہ وہ شہزادے ہیں ۔ جو اپنے بدلہ

گرامی کے ساتھ ہی آرام کر رہے ہیں۔ آپ کو بھی زیارت نصیب ہو یہ چھ گوشہ کی قبر ہے۔ حسینؑ سے دور نہیں ہیں۔ حسینؑ نے اب تک علی اکبرؑ کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ اور جب ذاکر مجلس پڑھتا ہے تو کبھی کبھی اشارہ بھی ہو جاتا ہے کہ میرے علی اکبرؑ کا تو حال بیان کر۔

ابھی قصرِ یارک میں یہ گفتگو تھی کہ شہزادی زینبؑ نے علی اکبرؑ کو رخصت دی، بھائی کی سفارش پر مگر یہ کہہ کر کہ علی اکبرؑ میرے لال کیا میں نے اسی دن کے لیے پالا تھا، میں نے تمہارے لیے عونؑ و محمدؑ کو قربان کر دیا تھا۔ اچھا جاؤ میرے لال خدا حافظ۔

حسین بیٹے کو ساتھ لیے، ہاتھ کو تھامے ہوئے خیمے سے باہر آئے، بیٹے نے اجازت چاہی، باپ نے کہا ٹھہرو علی اکبرؑ ابھی کچھ اور میرا فریضہ باقی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے خیمے میں علی اکبرؑ کو لائے، اپنے ہاتھ سے تبرکات کے صندوق کھولے نانا کا عمامہ بیٹے کے سر پر رکھا، نانا کی عبا دوش پر ڈال، نانا کے اسلحۂ جنگ جسم پر سجائے۔ سر سے کر پاؤں تک حسرت بھری نظر سے دیکھا اور کہا علیؑ اکبرؑ جب کبھی نانا یاد آتے تو میں تم کو دیکھ لیتا تھا، ہائے آج تم جا رہے ہو، آؤ میرے لال آج میں تم کو سوار کر دوں، یہ کہہ کر خیمے سے باہر آئے آواز دی ہے کوئی میرے بیٹے کی سواری لانے والا، عقاب حاضر ہوا، علیؑ اکبرؑ چاہتے تھے سوار ہو جائیں حسینؑ ابن علیؑ نے علیؑ اکبرؑ کا بازو تھاما، علی اکبرؑ نے ادب سے کہا، بابا آپ زحمت نہ فرمائیں۔ حسینؑ نے کہا علی اکبرؑ تم جا رہے ہو، تم جا رہے ہو میرے لال اچھا جاؤ جاؤ، علی اکبرؑ گھوڑے پر بیٹھے، حسین نے ایک مرتبہ آسمان کو دیکھا اور کہا اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۳۳) اللہ نے مصطفیٰ کیا آدم کو نوحؑ کو آل ابراہیمؑ کو آل عمران کو عالمین میں

خداوندگواہ رہنا کہ میں اس قوم کی طرف ایسے جوان کو بھیج رہا ہوں جو صورت میں سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ تھا اور ایک مرتبہ عمر سعد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اے عمر سعد خدا تیری اولاد کے سلسلے کو قطع کردے تو نے میرے بچے کی نسل کو قطع کردیا۔"

علی اکبرؑ گھوڑے پر سوار ہوتے گھوڑا چلا، ایک مرتبہ چاہا کہ مڑ کر بابا کو سلام کریں تو دیکھا بابا پیچھے پیچھے آرہے ہیں، علی اکبرؑ نے کہا بابا آپ کیوں آرہے ہیں بابا آپ تو رخصت کر چکے، کہا تم نہیں جارہے ہو علی اکبرؑ میری جان جارہی ہے آہستہ چلو تاکہ جی بھر کر دیکھ لوں۔ علی اکبرؑ نے لجام فرس کو کھینچا، گھوڑے سے کود پڑے بابا کے قریب آئے، لب اقدس گوشِ ہمایونِ امامت کے پاس لائے۔ آہستہ سے کچھ کہا حسینؑ بیٹے کے جملے سن کر چیخ کر روئے، علی اکبرؑ تو چلے گئے، زینب درِ خیمہ سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں، پوچھا بھیا چلتے وقت علی اکبرؑ نے آپ سے کیا کہا تھا حسینؑ نے کہا۔ زینبؑ یہ نہ پوچھو، کہا بھیا آپ کو میرے حق کی قسم بتلائیے میرے علی اکبرؑ نے چلتے وقت کیا کہا۔ حسینؑ نے فرمایا۔ زینبؑ زمانہ کا قاعدہ ہے کہ جب بوڑھا باپ مرنے لگتا ہے تو جوان بیٹے کو وصیت کرتا ہے، آج دیکھو تو میرے لال نے مجھے وصیت کی ہے کہتا تھا بابا میری لاش خیمے میں نہ لائیے گا، میری ماں غریب ہے، میری ماں پردیسی ہے۔

حجتِ الٰہی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَآ
اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَ
یُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (ع ۱۶۳) وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ
عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ وَکَلَّمَ اللّٰہُ تَکْلِیْمًا (ع ۱۶۴) رُسُلًا
مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ
کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا (سورہ نساء ع ۱۶۵)

میں حجتِ الٰہی کے عنوان پر گفتگو کر رہا ہوں۔ یہ سورہ نساء کی آیات ہیں یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے تیری طرف وحی کی۔ جیسے نوحؑ کی طرف اور نوحؑ کے بعد جو انبیاء آئے۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ اور داؤدؑ کو ہم نے زبور عطا کی، اسی طرح سے ہم نے تیری طرف وحی کی، ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے ہی بیان کر دیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے بیان نہیں کیا اور ہم نے اسی طرح موسیٰؑ سے بہت سی باتیں کیں، ہم نے ڈرانے والے رسول بھیجے، ہم نے بشارت دینے والے رسول بھیجے تعلا ایک مقصد تھا کہ رسولوں کے آجانے

کے بعد پھر انسان اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ کرے کہ ہمارے پاس کوئی ہادی یا تیری بھیجی ہوئی حجت نہیں آئی یہ ہمارے پاس تیرا کوئی ہادی نہیں آیا۔ ہم اس حجت کو ختم کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ سلسلہ نبوت اور اس سلسلۂ وحی کو باقی باقی رکھا۔

اور جب تیری طرف ہم نے وحی کی، تجھ کو خاتم بنایا تجھ کو آخر بنایا، تجھے اشرف المخلوقات بنایا، انسان کو کائنات کا شرف بنایا اور انسان کا شرف تجھ کو بنایا۔ محمد بن عالم میں سب سے بہتر تو یعنی ایسا معلوم ہو گا کہ اگر ہمارا مقصد عالم تجرید میں ہے تو وہ مقصد مجسم ہوا صورت محمدؐ میں۔ ارشاد ہوا اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (سورہ اعراف ع ۱۵)

وہ لوگ جو رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں اس کا ذکر توریت میں بھی پاتے ہیں۔ اس کا ذکر انجیل میں بھی پاتے ہیں اس کا کام یہ ہے کہ وہ طیب چیزوں کو حلال کرتا ہے۔ اور خبیث چیزوں کو ناپاک چیزوں کی حرمت کا حکم دیتا ہے، تمہارے کاندھوں سے بوجھ ہٹاتا ہے، جن زنجیروں میں تم گرفتار تھے ان زنجیروں سے تم کو الگ کرتا ہے۔" اس کو یہ اختیار ہم نے دیا ہے کہ تا قیام قیامت تک کا جائزہ لے کہ جس چیز کی حقیقت کو بہتر پائے، اس لئے کہ اس نبیؐ نے دعا کی تھی کہ "اے پروردگار مجھے حقیقت اشیاء دکھا۔" تو یہی کہہ سکتا ہے کہ یہ حلال ہے اس میں حرمت کا پہلو نہیں یہ حرام ہے اس میں عزت کا پہلو نہیں۔ یہ حجت الٰہی بن کر آیا اور قرآن مجید اسکا قصیدہ بن گیا۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی توصیف کی اور یہ جتلانے کی کوشش کی کہ

یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں ہم نے اس کو اپنی مرضی کا نمائندہ بنا کر اور پھر ایک ایسی منزل سے سرفراز کر دی کہ اس کا نطق وحی بن گیا ارشاد ہوا وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوٰی (سورۃ النجم ع ۱ ؎) "اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتا ہی نہیں" اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی (سورۃ النجم ع ۱ ؎) "یہ تو وحی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے" یعنی کہ وہ ہوا و ہوس سے بات نہیں کرتا تو ہادی کا فریضہ کیا ہے۔ ہادی کا فریضہ یہ ہے، ہادی کا کام یہ ہے کہ لوگوں کی ہوا و ہوس کو، ہدایت کی طرف لائے جب کہ دنیا ہدایت کو ہوا و ہوس کی طرف لے جائے۔

ہادی کا کام یہ ہے کہ جب وہ چاہتا ہے انسانیت کی رائے کو قرآن کا پابند کر دیتا ہے۔ جب دنیا یہ چاہتی ہے کہ قرآن، انسان کی رائے کا پابند ہو جائے یہ ہادی کا کام ہے اور اس فریضہ کو ادا کرتا ہوا چلا اور اس کے بعد اس کو تسلی دے دی گئی آخر کہا کہ اے حبیب! ایک بات ہے تم کو ایک چیز کا ڈر ہے اور ہم بھی اس کے متعلق پہلے ہی کہہ دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ۔ وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ۔ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ وَکُذِّبَ مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ لِلْکٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ۔ فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ۔ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔

(سورۃ حج آیت ۴۲ تا ۴۶) یہ سورۃ حج ہے اور اگر یہ تجھے جھٹلائیں اور اگر یہ تیری تکذیب کریں اگر یہ تجھے سچا نہ مانیں، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو جھٹلایا تو جن جن پر ہم نے وحی کی تھی پھر تم سے پہلے انھوں نے نوحؑ کو جھٹلایا ہے، ابراہیمؑ کو جھٹلایا ہے، انھوں نے صالحؑ کو لوطؑ کو اور موسٰیؑ کو جھٹلایا ہے، میں نے ان کو مہلت

دی مگر جب ہم نے ان کی گردنیں پکڑلیں جب ہمارے پنجۂ قدرت میں وہ آگئے تو تم نے دیکھا کہ ہم نے کیا کیا، ہم نے کتنے شہر تباہ کردیئے، کتنے تمدن تباہ کردیئے۔ کتنی تہذیبیں تباہ کردیں، کنویں تھے سنسان اور ویران، مکانات تھے الٹے ہوئے جن کی چھتیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں، سارے تمدن ہم نے تباہ کرڈالے، اس لئے کہ انھوں نے حجتِ الٰہی کو نہ مانا تھا، انھوں نے حجتِ الٰہی کو ٹھکرایا تھا، انھوں نے حجتِ الٰہی کی توہین کی تھی، ہم کچھ مہلت دیتے ہیں اس مہلت کو اگر کوئی ملوکیت سمجھے اس مہلت کو اگر کوئی شاہی سمجھے تو اور بات ہے مگر ہم نے تو مہلت دی تھی کہ دیکھو حجتیں ہماری آچکی ہیں۔ مخلوق کو پیدا کیا تو بے راہ جانے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اس واسطے نہیں کہ ان کو نشان اپنی منزل کا نہ بتلائیں، نبی پر نبی بھیجے، ہم نے رسول بھیجے کہ ہم نے اپنے قول کو وصل دے دیا ہے کہ ایک کے بعد ایک آیا اور ایک کے بعد ایک حجتِ الٰہی آئی۔ کتابیں آئیں، اور اگر اس کے بعد بھی تیری تکذیب کریں اور تجھے جھٹلائیں تو گھبرانا نہیں اوروں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔ اور ہم نے مہلت دے کر سزا دی تو خالق کا ایک تو ری دن ہزاروں برس کے برابر ہوتا ہے ارشاد ہوا۔ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (سورہ حج آیت ۴۷) تمہارے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے ہزاروں برس کے برابر ہوا کرتا ہے یہ معلوم نہیں کتنی مہلت دے اور معلوم نہیں کب تک اک مرتبہ کہ اس کے پنجۂ قدرت میں سب آجائیں، یہی وہ منزل ہے کہ بدترین گناہ انسانیت کا تکذیبِ رسولؐ ہے تکذیبِ حجت ہے، تکذیبِ آیاتِ الٰہی ہے۔

ارشاد ہوا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ (آلِ عمران آیت ۴) بدترین عذاب ہے ان کے لئے جو اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑائیں

جو اللہ کی آیتوں کی توہین کریں، یہ محبت الٰہی بن کر آئے اور یہ بتلایا کہ امت نا اختیار سے کر آیا ہوں کہ جو چاہوں وہ کہوں جس راستے پر ڈال دوں اسے ماننا پڑے گا۔ اور پھر یہ اختیار مجھے سلسلے سے ملا ہے، آدمؑ کو ملا، نوحؑ کو ملا، ابراہیمؑ کو ملا، موسیٰؑ کو ملا، ایوبؑ کو ملا سلیمانؑ کو ملا داؤدؑ کو ملا، سب کو ملا مجھے ملا، اور اگر یہ اختیار میں کسی کے حوالے کروں تو اس یقین کے ساتھ حوالے کروں گا کہ کس کو اپنا بدل بناؤں، کس کو اپنی رمیت کی منزل پر لاؤں تو یقیناً مجھے اس بات کے بتلانے کا حق ہے کہ محبت الٰہی کے بغیر چونکہ زمانہ نہیں رہتا اس لئے اگر جبلت ملے تو کوئی آکر پھر سمجھائے، کوئی آکر پھر بتلائے، اس واسطے اپنی گود میں پرورش کر کے میں نے امت کے حوالے کیا ہے حسینؑ کو، یہ مقامِ رمیت ہے، محبت الٰہی بن کر آیا ہے۔ اسی منزل پر اقبال کو کہنا پڑا۔

در میانِ امت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ہو اللہ در کتاب

حسینؑ امت کے درمیان ایسے ہیں جیسے قل ہو اللہ قرآن کے درمیان ہے حسینؑ نے یہ بتلا دیا کہ تکذیبِ آیات الٰہی کا انجام بڑا دردناک ہے، حسینؑ پیغام رسولؐ کو آگے بڑھانے والے ہیں۔ حسینؑ مقصدِ رسولؐ کو باقی رکھنے والے ہیں حسینؑ محبتِ رسولؐ کی دلیل ہیں، حسینؑ نے واضح کر دیا کہ جس کو حلال کیا ختمی مرتبت نے اب وہ قیامت تک حلال ہے، جس کو حرام کیا تھا وہ قیامت تک حرام ہے اب شاہی کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اب ملوکیت کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اب ملوکیت کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ قرآن کو رائے کا پابند کر دے، وہ قرآن کو اپنی ہوس کا پابند کر دے اس لئے کہ میں محبتِ الٰہی کی جگہ ہوں۔ جہاں کہ اقبال کہتے ہیں

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
برزمینِ کربلا بارید و رفت چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم

لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تاقیامت قطع استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

جب مسلمانوں کی خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑا اور ملوکیت کی بنیاد پڑی تو قرآن ناطق کا نواسہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا خون دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے استبداد کے زور کو توڑ دیا، خوب بادل تھا کہ صحرائے کربلا میں برسا اور ویرانہ میں لالہ کاری کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گلشن اسلام کی سیرابی کا سامان کر دیا۔

حسینؑ ابن علیؑ نے کربلا میں اس انداز سے قیام کیا اور اس قیام کی منزل پر امام کا یہ ارشاد کہ اگر محمدؐ کا دین بغیر میرے قتل کے قائم نہیں رہ سکتا تو اے تلوارو میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو،

ان کان دین محمد لم یستقم
الا بقتلی یا سیوف خذینی

اولین و آخرین میں کسی نے یہ آواز نہیں دی کہ اگر دینِ محمدؐ سوا میرے قتل کے قائم نہیں ہو سکتا تو اے تلوار و میرے ٹکڑے ٹکڑے کردو، مجھ پر حملہ کرو اور مجھے تم جس طرح سے چاہو زخمی کرو، جس طرح سے چاہو لہو بہاؤ، جتنے عزیزوں کو چاہو قتل کر ڈالو، مگر میں چاہتا ہوں کہ دینِ محمدؐ رہ جائے۔

اور دینِ محمدؐ رہ گیا زہراؑ کا بھرا گھرانہ کربلا میں کٹ گیا، ان میں ایک چھ

مہینہ والا بھی تھا، کون؟ وہ رباب کا لال علی اصغر، شہادت عظمیٰ پر ایک کتاب حسینؑ نے لکھ دی۔ بہت غور سے سنتے جائیے، ۲۸ رجب کو مدینہ سے سفر کیا تیسری شعبان کو مکہ پہنچے، مدینے سے نکلتے ہوئے خطبہ دیا، مکہ میں پہنچ کر خطبہ دیا، ۸ ذی الحجہ کو مکے سے چلے خطبہ دیا، راستے میں خطبہ دیا، دوسری محرم کو کربلا پہنچے خطبہ دیا، نویں محرم کو خطبہ دیا، حسینؑ نے ایک کتاب لکھی، جس میں ابواب قائم کئے، یہ باب شہادتِ عباسؑ ہے، یہ باب شہادتِ عونؑ و محمدؑ ہے، یہ باب شہادتِ قاسمؑ ہے، یہ باب شہادتِ علی اکبرؑ ہے۔ اب کتاب شہادت جب ختم کے قریب آئی تو اس کتاب کا آخری باب تھا، چھ مہینے کے بچے کی شہادت۔

پیارے صاحب رشید مرحوم، میر انیس کے نواسے، مشہور شاعر، مشہور مرثیہ گو مشہور رباعی گو شاعر، بہترین سلام پیارے صاحب رشید نے کہے ہیں، ایک شعر سلام میں کہا اگر آپ یاد رکھ سکیں

یہ سمجھ کر لے گئے ہمراہ اصغرؑ کو حسینؑ
قید میں بانو سے یہ بچہ نہ پالا جائیگا

شہزادے کے متعلق بہت سی باتیں ہیں، مگر میں اس منزل پر یہ عرض کرونگا کہ دل اور ام رباب کا دل، بچہ پیاسا تھا، ماں نے باپ کے حوالے کر دیا، دھوپ بہت تیز تھی، حسینؑ نے علی اصغرؑ کو عبا کے دامن میں چھپا لیا تھا۔ بچے کو لے کر فوج شام کے سامنے آئے، میرا علی اصغرؑ پیاسا ہے اسے تھوڑا پانی پلا دو۔ میر انیس مرحوم کہتے ہیں۔

صدمے سے پیاس کے رخ معصوم تھا جو زرد
حضرت فلک کو دیکھ کے بھرتے تھے آہِ سرد
ہچکی جب اس کو آتی تھی اٹھتا تھا دل میں درد

آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پر جمی تھی گرد
پانی کی جستجو تھی شہ خوش صفات کو
تکتے تھے چشمِ یاس سے نہرِ فرات کو

اس منزل پر کہا علی اصغرؑ تم حجت الٰہی کے پسر ہو، علی اصغرؑ ان پر حجت کو تمام کرو، دیکھا آپ نے یہ ہے حجت الٰہی جو بیٹے سے کہہ رہا ہے، میرے لال ان پر حجت کو تمام کرو، بچے نے خشک زبان سوکھے ہوئے ہونٹوں پر پھیری، یہ علی اصغرؑ کا جہاد تھا، لشکر کے لوگ منہ پھیر کر رونے لگے، اس منزل کے لئے مرحوم قمرؔ جلالوی نے شعر کہا ہے

اصغرؑ! کلیجہ تھام کے روتی ہے فوج شام
تم تیر کھا کے آئے ہو یا تیر مار کے

حرملہ نے حجتِ الٰہی کو یہ جواب دیا ہے

تیر ابر دکمان کو مارا
پھر مہینے کی جان کو مارا

حسینؑ بچے کی لاش سینے سے لگائے ہوئے درِ خیمہ پر آئے، کبھی آگے بڑھتے، کبھی پیچھے پلٹتے اور ہر قدم پر کہتے جاتے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رِضاً بِقَضَائِہٖ تَسْلِیْماً لِاَمْرِہٖ۔

اور ایک مرتبہ عزم و ہمت کے ساتھ درِ خیمہ پر آواز دی، اُمّ ربابؑ اپنے بچے کو لے جا، اُمّ ربابؑ درِ خیمہ پر آئیں تو بے اختیار حسینؑ نے کہا، اُمّ ربابؑ میں کون ہوں؟ بی بی نے جواب دیا کہ آپؑ امام وقت ہیں، کہا ربابؑ جو کہوں گا، صبر کروگی؟ آپؑ میرے آقا ہیں۔ کہا اچھا یہ امانتِ پروردگار ہے اسے گود میں سنبھالو، اب بچہ اُمّ ربابؑ کی گود میں ہے۔ حسینؑ نے زیرِ قنات ایک ننھی سی لحد بنائی ایک چھوٹی سی قبر بنائی، ربابؑ لا میرے بچے کو مجھے دے دے،

ماں کی آنکھوں کے سامنے بچہ دفن ہو گیا۔

مگر حسینؑ جب بچے کو دفن کرنے لگے، فرات کی طرف رخ کر کے عباسؑ کو آواز دی، یہ بیٹے کو دفن کرتے ہوئے چھوٹے بھائی کو آواز کیوں دی؟

جب ختمی مرتبتؐ کے فرزند ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو رسولؐ نے علیؑ کو بلا کر کہا، علیؑ باپ کے لئے یہ بہت مصیبت ہے کہ وہ بیٹے کو دفن کرے، علیؑ جاؤ، میرے لال کو غسل و کفن دے کر تم دفن کرو، چھوٹا بھائی موجود تھا، بڑے بھائی نے حکم دیا، چھوٹے بھائی نے بھتیجے کو دفن کیا۔

حسینؑ تنہا رہ گئے علی اصغرؑ دفن ہو گئے ہے

کہتے کہتے کچھ زبانِ بے زبانی رہ گئی
تیر کھا کے سو گئے اصغرؑ کہانی رہ گئی

عقل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد ہوا نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورہ روم آیت ۲۸)

ہم عقل والوں کے لئے اپنی آیات مفصل بیان کرتے ہیں۔ جوہرِ انسان عقل ہے اس لئے انسان اپنے ہر عمل میں تابع عقل ہوتا ہے۔ اس کا خواب و بیداری اُس کی صحت و مرض۔ اس کا سکون و اضطراب، وسائل رزق کی تلاش، توالد و تناسل غرض اس کا ہر حکم ہر عمل عقل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ حیوانات سے ممتاز ہے۔ درآنحالیکہ یہی تمام اعمال حیوانوں سے بھی متعلق ہیں۔ انسان کو حیوان اس لئے نہیں کہتے کہ وہ زیورِ عقل سے آراستہ ہے۔ جس طرح انسان تابع عقل ہو کر اپنے ہر عمل میں حیوانات سے ممتاز ہے۔ اسی طرح نبی تابع وحی ہو کر اپنے ہر کام میں دنیا کے انسانوں سے بلند ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بشرٌ مثلکم کہہ کر جنس کا اعلان کرتا ہے مگر وحی آئی ہے مفصل کے ساتھ حیوان و انسان میں فصل عقل ہے اور انسان و نبی میں فصل وحی ہے۔ اور چونکہ وحی شارحِ اسرار حیات ہے اور وجود کی حقیقتوں کو منکشف کرتی ہے۔ اور ہم جو زمان و مکان کے اسیر ہیں۔ اسی وحی کی بدولت ہر غیب سے قریب ہو جاتے ہیں اس لئے صاحب وحی کو یہ فکر ہے کہ کہیں انسان اپنے عقل کو جذبات بہیمیت و حیوانیت کا تابع بنا کر جاہلیت کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ

حقیقت ہے کہ جذبات انسان کے قوی ہیں۔ اگر یہ انسان ہوا و ہوس کی ضد میں آجائے اور خواہشات نفس کا پابند ہے تو وہ چونکہ صورت میں انسان ہی رہے گا اس لیے اگر وحی معیار عقل کو واضح نہ کردے تو دوسرے انسان نہ اس خود کار انسان کی حیوانیت سے آگاہ ہوسکیں گے اور نہ اپنے آپ کو متذکرہ لوگوں کے اثر سے بچا سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ وحی ربانی نے مختلف مقامات پر انسانی عقل سے اپیل کی عقل و تعقل کی اہمیت کو واضح فرمایا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورہ بقرع ۱۶۴)

زمین و آسمان کی خلقت، رات اور دن کا اختلاف، دریاؤں میں کشتیوں کی فائدہ مند حرکت، بلندیوں سے پانی کا نزول، مردہ زمینوں کی دوبارہ زندگی، ہر حیوان کی حیات ہواؤں کا تصرف، بادلوں کا زمین و آسمان میں مسخر ہونا۔ ان سب میں نشانیاں ہیں مگر اس قوم کے لیے جو عقل سے کام لے

سورہ رعد اور سورہ روم میں دیگر مظاہر و نوامیں قدرت کو پیش کیا گیا اور پھر یہی ارشاد ہوا کہ یہ آیتیں عقل سے کام لینے والی قوم کے لیے ہیں سورہ حج میں ارشاد ہوا۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۔۔۔ (سورہ حج آیت ۴۶)

کیوں وہ زمین میں سیر نہیں کرتے، زمین پر بسنے والوں کے ماضی و حال پر ان کی نظر کیوں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے دل تعقل کرتے۔ ان کے کان سنتے

اور محفوظ کرتے۔ اس لیے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں سینے میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (سورہ بقرآیت ۱۷۱)

نہ ماننے والوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے جانور جو سوا اس آواز کے اور کچھ نہیں سنتا جس سے اس کو بلایا جائے۔ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اس لیے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

سورۃ انفال میں ارشاد ہوا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (سورہ انفال آیت ۲۲)

اللہ کے نزدیک چوپاؤں سے بدتر وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے

سورۃ الملک میں ارشاد ہوا۔

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (سورۃ الملک آیت ۱۰)

اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو ہم اہل جہنم سے نہ ہوتے۔

سورہ حشر میں ارشاد ہوا۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (سورہ الحشر آیت ۱۴)

تم خیال کرو گے کہ سب کے سب یک جان ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے بچھڑے ہوتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورہ زمر آیت ۱۸)

بشارت دو میرے ان بندوں کو جو قول کو سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں ان ہی کی اللہ نے ہدایت کی ہے۔ اور یہی صاحب عقل ہیں۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اکرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل عطا کر کے بندہ اور خدا کے درمیان اس کو حجت باطن قرار دیا کہ ربط اشیاء کو دیکھ کر اور وحدتِ نظام و دوام انتظام عالم کا اندازہ کر کے کوئی ذی عقل انسان وجود باری کا منکر نہ بنے اور پھر اس پر لطف الٰہی یہ ہے کہ انسانوں میں سے ان بندوں کو اختیار کیا جن کی عقل تابع وحی ہو کر کبھی ہوا و ہوس کا شکار نہیں بنی۔ ایسے نبی اللہ اور انسانوں کے درمیان حجت ظاہری قرار پائے۔ اس لئے درسِ حیاتِ انسانی کو کتاب العقل سے شروع کرنا چاہیئے۔ تاکہ عقل توحید کی طرف مائل ہو اور پھر خلاق کل اس انسان کو اپنی پسند و ناپسند اپنی خوشی و ناراضی کے اسرار سے آگاہ کرے اور یہ علم و اطلاع یہ آگاہی و خبر بذریعہ انبیاء انسانوں تک پہنچے پہلے پہل سادہ قوانین فطرت پر چلنے والا انسان بدعہدی، جھوٹ، ظلم، چوری، قتل کو برا سمجھنے والا فطرتاً دین حنیف کی طرف مائل ہوتا ہے اس لئے کہ عقلاً اسی میں اس کی اپنی اور جماعتی حفاظت اور ترقی کا امکان ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورہ انعام آیت ۷۹)

میں نے کُل کے پروردگار کی طرف توجہ کی ہے اور میرا رخ صرف آسمان و زمین کے خالق کی طرف مستقیم ہے میں مشرک نہیں ہوں۔ ایک جہت راست ایک سمت صحیح حسب خالق کے لئے ہو۔ اور انسان اسی سمت پر حرکت کرے تو اس انسان کی حیاتِ عقل کا آغاز ہوتا ہے اور یہی حیات عقل عصمت و طہارت کی زندگی بن کر حیات اخلاق و معنوی بن کر موت کے چنگل سے آزاد ہو جاتی ہے۔ زمان و مکان

کی قید سے رہا ہو کر اس کا اثر دائرہ محدود ہو جاتا ہے۔

إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ (سورۃ الصافات آیت ۹۹)

میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں البتہ وہی میری ہدایت کرے گا۔ یہ آواز صرف ابراہیم کی نہیں آل ابراہیم سے ہر شخص کی ہے جو ظلم سے دور رہا جس نے غیر حق کی پرواہ نہ کی جس کو کوئی ڈرانے والا ڈرا نہ سکا۔ اور نہ ملامت کرنے والوں کی ملامت اس کو راہ حق سے ہٹا سکی اور وہ فخر ابراہیم آواز دیتا رہا

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (سورہ انعام آیت ۱۶۲-۱۶۳)

میری نماز و دعا میری اطاعت میری موت میری حیات سب اللہ ہی کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلم ہوں۔ یہ تسلیم کی وہ منزل ہے جہاں ارادۂ محدود بشر ارادۂ لامحدود مرضی الہی کے تابع ہو گیا۔ اور یہی گذرگاہ ہے۔ جہاں تسلیم عقل سے گذر کر انسان تسلیم قلبی کی منزل پر آتا ہے کہ سارے احساسات و عواطف تابع مرضی خالق ہو جاتے ہیں۔ اور مفادات ذاتی مصالح وقتی اور توجہات شخصی سے ایسا انسان بلند ہو کر ہر آن وہ ہر لحظہ حضوری خالق کی کیفیت کو محسوس کرتا ہے اس کا خواب و بیداری سب ایک ہو جاتی ہے جب وہ اپنے رب کی طرف جاتا ہے تو خداوند عالم اس کو ایک فرزند حلیم کی بشارت دیتا ہے۔ اور جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو ابراہیم جیسا باپ اپنے خواب کا تذکرہ کرتا ہے کہ گویا میں تم کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہا ہوں۔ گویا یہ خواب عین بیداری ہے کہ نبی سے بیٹے نے جو خود نبی ہے یہ کہا کہ آپکو جو حکم ملا ہے۔ اس کو آپ پورا کریں۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (سورہ الصفٰت ع ۱۰۸)

تسلیم قلبی کا کمال یہ ہے کہ راہ حق میں مرضی حق کو پا کر سب کچھ قربان کر دیا جائے اور ہر قربانی پر قلب اس آواز کو سنتا رہے قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ جب اس طرح راہ حق میں آگے بڑھنے والا سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف جاتا ہے تو زمان و مکان سے بلند ہو کر قرب حق حاصل کرتا ہے بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ آل ابراہیمؑ میں مخیر ابراہیم یعنی ذات ختمی مرتبت نے یہی چاہا کہ تسلیم کی منزل کامل ہو جائے اور جس کو وہ حسینیت کی منزل عطا کریں اور جس کی شہادت ان کی اپنی شہادت علمی و عقلی کے لئے ضروری ہو ایسے کو اس ذبح عظیم کے لئے پسند کریں۔ جس کی یاد آج منائی جا رہی ہے۔ اور قیامت تک یہ یاد منائی جاتی رہے گی۔ حسینؑ فاطمہؑ کے نور نظر حسینؑ، علیؑ کے لخت جگر حسینؑ محمدؐ کے نواسے حسینؑ نے راہ تسلیم میں بیعت یزید سے انکار کیا۔ اور اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ کہتے ہوئے ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینے سے چلے۔ ماں کی قبر، بھائی کی لحد، نانا کا مزار چھوڑا نگاہ یاس سے مدینہ میں رہ جانے والوں نے امام کو دیکھا کہ دیکھیں اب مسافر کب آتے ہیں۔ ۳ شعبان کو حسینؑ ابن علیؑ مکہ پہنچے، اس خیال سے کہ حاکم وقت کی نگاہ ذاتی مفادات کے سلسلے میں مکہ کا احترام باقی نہ رکھے گی۔ اور کہیں خانۂ خدا کی حرمت ضائع نہ ہو۔ حسینؑ ابن علیؑ ابن عباس سے یہ کہہ کر چلے کہ مجھ کو کربلا پہنچ کر وعدۂ طفلی ادا کرنا ہے اور بہت قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔ ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے کوچ کیا۔ ۹ ذی الحجہ کو سفیر آل محمدؐ مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ ۳ ذی الحجہ کو میثم تمار قتل کر دیئے گئے۔ ۲ محرم کو وعدہ گاہ پر فاطمہؑ کا لال پہنچا حسینؑ نے ایک

بستی بسا تی خیمے نصب ہوتے۔ ہر محرم سے لشکر آنے لگے۔ ۷ محرم کو پانی بند ہوا۔ گرمی کے دن بچوں کی پیاس، ماؤں کا تڑپنا، گودیوں کے خالی ہوجانے کا خوف، غرض راہ حق کے مسافر کے لئے ہر قدم پر صعوبتیں تھیں انی وجہت وجہی اللذی فطر السموات والارض نویں محرم کو حسینؑ لشکرِ اعدا میں گھر گئے۔ ایک رات کی مہلت اور دی۔ شاید کوئی مردِ آزاد فکرِ حق کی طرف آ کر مثال نمونہ بن جائے دسویں محرم کی شر سے لڑائی شروع ہوئی۔ ہزاروں تیر پہلے ہی حملے میں لشکرِ مخالفت کی سمت سے چلے ۲۲ انصار وہیں تڑپ کر مر گئے پھر بچپن کے ساتھی چلے۔ طفلی کے رفیق چھوٹے۔ عزیزوں کی باری آئی۔ پنجتن پاک کے نمائندے کربلا میں موجود تھے۔ حسین ابنِ علی ختمی مرتبت کی نمائندگی کر رہے تھے علی اکبرؑ حسینؑ کے نمائندے تھے عباسؑ علیؑ کے اور قاسمؑ امام حسنؑ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ فاطمہؑ کی نیابت زینبؑ کر رہی تھیں علی اکبرؑ میدان میں گئے۔ حسینؑ نے صبر کی داد دی اور بیٹے کی لاش خود اٹھا لائے۔ قاسمؑ ابن حسنؑ کی لاش پامال ہو چکی تھی حسینؑ نے اس کو رکھ کر عبا میں اٹھایا۔ بھانجوں کی لاشیں آئیں تو زینبؑ نے شکر کا سجدہ ادا کیا۔ عباسؑ دریا پر علم گاڑ کر سو گئے۔ چھ مہینے کا بچہ علی اصغرؑ تیر کا نشانہ بنا۔ مقتل میں اس کی قبر بنا دی عصر کا وقت آتا چلا۔ حسینؑ ابن علیؑ ذبح عظیم کی منزل پر آئے۔ دعائے ابراہیمؑ و محمدؐ کی تکمیل کا وقت آیا۔ رک کر لاشوں پر نظر کی آواز دی۔

یا ابطال الصفا و یا فرسان الھیجاء مالی

انادیکم فلا تجیبونی ۔ اما من ناصر ینصرنا

میر انیسؔ کہتے ہیں۔

ناگاہ سوئے لاش پسر جا پڑی نظر

فرمانے سر کو پیٹ کے سلطان بحر و بر۔

سوئے ہو کیا دھرے ہوئے رخسار خاک پر
اکبر اٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدر
بھولے پدر کو نیند میں قربان آپ کے
آؤ نماز عصر پڑھو ساتھ باپ کے

پھر دریا کی طرف دیکھا اور آواز دی۔

عباسؑ نامدار ترائی سے اٹھ کے آؤ
بھٹکا ہے قلب جل رہے ہیں جگر کے گھاؤ
پھر لاؤ میری زرہ یہ جو پائی کہیں سے پاؤ
چلتے ہوئے عدم کے مسافر سے مل تو جاؤ

ہم سب کے کام آئے ہیں بیٹے ہیں روئے ہیں
بارہ پہر ہوئے کہ نہ لیٹے نہ سوئے ہیں

خیمے میں کہرام مچا ہوا تھا۔ سب کو امر بہ صبر فرمایا۔ عابدؑ بیمار کے سرہانے آئے۔ ان کو خدا حافظ کہا۔ زینبؑ کو دیکھ کر بولے۔ ہم نے قافلہ کو مدینے سے کربلا تک پہنچا دیا ہے۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم اس قافلے کو شام اور شام سے مدینے لے جاؤ اور جب مدینے جانا تو میرے نانا کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ حسینؑ نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔

سب کو خدا حافظ کہا خیمے کے پردے کے قریب آئے۔ آواز دی کوئی ہے ہماری سواری لانے والا؟ کوئی نہ تھا۔ گھوڑا گردن ڈالے قریب آیا۔ آپ سوار ہوئے ناگاہ ایک بچی کی آواز آئی۔ ٹھہرو بابا۔ حسینؑ گھوڑے سے اتر پڑے بچی کو پیار کیا اور کہا سکینہ۔ عینی لعلی اینک یا اماں مجھے چھوڑ دو۔ میں شاید پانی لا سکوں۔ بچی نے باپ کو خدا حافظ کہا۔ دمِ دروازۂ خیمہ آکر چپ کھڑی ہو گئیں۔ اس

اس انتظار میں کہ باپ آئیں گے۔ حسینؑ گئے کربلا کے میدان میں شام ہو گئی۔ حسینؑ نہ آئے خیمے جلے، بچوں نے طمانچے کھائے۔ مگر حسینؑ نہیں آتے۔ اندھیرا ہو گیا علیؑ کی بڑی بیٹی نے بچوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ جب باہر میدان میں سب ایک جگہ جمع ہوئے تو زینبؑ نے دیکھا کہ سکینہ نہیں ہیں۔ ہر طرف آواز دیتی ہوئی چلیں۔ سکینہؑ، سکینہ، دریا پہ جا کر پکارا عباسؑ! کیا وہاں سکینہؑ آئی ہے۔ مقتل میں آئیں۔ بچی کو پکارا۔ آواز آئی آہستہ بولو بہن سکینہؑ یہاں ہمارے سینے پر سو رہی ہے۔ زینبؑ نے سکینہ کو چونکایا خانہ بلا کر کہا چلو بچے اکیلے نہیں سوتے۔ گھبرا کر کہا پھوپھی اماں! میرے بابا اکیلے ہیں۔ وسعلم والذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

دشواوم

تقویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (سورۃ قصص آیت ۸۳)

سورۃ قصص کی یہ آیت انجامِ متقین پر ایک بیّن ثبوت ہے۔ بمعنی خیز درس ہے۔ ارشاد ہوا "آخرت کا گھر تو ہم ان ہی کے لئے مخصوص کردیں گے۔ جو روئے زمین پر نہ سرکشی کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہ فساد اور پھر سچائی بھی یہی ہے کہ انجام کی بھلائی صاحبانِ تقویٰ کے ہی لئے ہے"۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ قرآن مجید میں ۲۵۲ مقامات پر لفظ "تقویٰ" استعمال کیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر تقویٰ کے ساتھ ساتھ صبر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ختمی مرتبتؐ نے ارشاد فرمایا "لوگو خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے، کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ مگر تقویٰ کے اعتبار سے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"۔

اور اسی منزل پر امیرالمومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب صلواۃ اللہ علیہ نے تقویٰ کی تعریف بتاتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم متقین کو دیکھنا چاہتے ہو تو تم دیکھو گے

کہ اس کے دل میں خوف ہے۔ ایمان میں یقین ہے اگر کسی سے ملتا ہے تو احتیاط سے ملتا ہے۔ اگر فاقہ کے عالم میں ہے تو پھر بھی صبر کئے جا رہا ہے متقی اپنی خواہشات پر قابو پانے والا ہے۔ اگر تم متقی کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس وقت دیکھو جب زلزلے آئیں۔ جب اس پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹیں تو اس کا وقار اور شان دیکھو جب اس کو نعمت پر نعمت عطا ہوں۔ تو اس کے شکر کے سجدے دیکھو، امیر المومنین فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے جو حق سے باہر نہیں ہوتا۔ اور باطل میں داخل نہیں ہوتا۔ اب دیکھئے کہ قرآن مجید میں متقی کی کیا تعریف کی گئی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (سورہ حجرات آیت ۱۳) اللہ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو صاحب تقویٰ ہو ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (سورہ طلاق آیت ۲ اور ۳) جو کوئی تقویٰ کی منزل پر آتا ہے اسے پھر کسی سے خوف کھانے کی ضرورت ہی نہیں ہم اس کو وہاں سے رزق عطا کریں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اور اب یہ تیسری آیت جہاں ارشاد ہوا۔ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا (سورہ مریم آیت ۷۲) ہم فقط صاحبان تقویٰ کو نجات دیں گے اور ظالمین کو جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے۔

تقویٰ کی ان اعلیٰ مدارج کو بیان کرتے ہوئے اللہ نے بار بار یہ کہا کہ صاحبان تقویٰ اس مالک حقیقی کو محبوب ہیں پسند ہیں، بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (سورہ آل عمران ۷۶) جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا، کیونکہ صاحبان تقویٰ اللہ کو پسند ہیں۔ ان اللہ یحب المتقین (سورہ توبہ آیت ۴) اللہ صاحبان تقویٰ ہی کو پسند کرتا ہے۔ اَعْلَمُوْٓا ان اللہ مع المتقین (سورہ توبہ آیت ۱۲۳) اور جان رکھو کہ بے شک اللہ صاحبان تقویٰ ہی کے

ساتھ ہے۔ خداوندِ علیُّ العالی نے صاحبانِ تقویٰ کا انجام بھی بتا دیا کہ ہماری طر
سے انھیں کیا ملے گا۔ ارشاد ہوا۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّہِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (سورۂ القلم
آیت ۳۴) یقیناً صاحبانِ تقویٰ کے لئے نعمات سے بھری جنتیں ہیں۔

تقویٰ کی ان تمام تعریفوں کے بعد حصول تقویٰ کی بھی فکر لازم ہے کہ اس کو
کیسے حاصل کریں سورۂ حج میں کہا گیا ہے کہ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنْ تَقْوَی
الْقُلُوْبِ (سورۂ حج ۳۲) جو اللہ کی نشانیوں کا احترام کریں تو یہی تقویٰ ہے، جو شعائر
خدا کا احترام کریں، جو چہار دیواری کا احترام کریں جو ان راستوں کا احترام کریں جہاں سے انسان سعی
کرتا ہے۔ وہ اس کنویں کا احترام کریں جس کو آب زم زم کہتے ہیں۔ حجر اسود کا احترام کریں۔ خانہ کعبہ کا احترام
کریں۔ یہی نہیں بلکہ قربانی کے اس جانور کے گلے کی رسی کا بھی احترام کریں، اس لئے کہ وہ شعائر الٰہی میں
سے ہے۔ آپ نے دیکھا کہ تقویٰ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ شعائر الٰہی کا احترام کرو، اور اسکا احترام شرک
نہیں ہے۔ اگر اللہ کی نشانیاں آب زمزم، صفا اور مروہ اور غلاف کعبہ ہیں تو محمد عربی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ان کے
ساتھ شہید ہونے والے سب شعائر اللہ ہیں۔ ان کا احترام کرو۔ یہ دلوں کا تقویٰ ہے
جو چیز ان سے منسوب ہو جائے وہ اللہ کی نشانی ہے۔ اور یہی تقویٰ ہے۔

ارشادِ خداوند ہوتا ہے کہ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُہَدَآءَ بِالْقِسْطِ
وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ہُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (سورۂ مائدہ
۸) اے صاحبانِ ایمان، اللہ کے لئے قیام کرنیوالے بنو۔ عدل پر گواہ بنو، خبردار
کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل سے نہ ہٹا دے، عدل کرو یہی تقویٰ ہے، تقویٰ سے
عدل قریب تر ہے۔ اے صاحبانِ ایمان اللہ کے نام پر اٹھو، عدل پر شہید ہو
اور یہ شہادت عملی ہے، شہادت عقلی ہے۔ اور یہ اس وقت تکمیل پاتی ہے جب
شہادت ظاہری بھی تکمیل پا جائے۔ وہ متقی ہوتا ہے۔

کربلا والے شہید الاحتیاط بھی ہیں یعنی علم کے ساتھ شہید ہو رہے ہیں۔ تہہ تیغ و خنجر گلا رکھ کر بھی شہید ہو رہے ہیں۔ ان کی شہادت اور مراتب کا کیا کہنا کربلا میں ہم تقویٰ کی چند صورتوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں۔ بہتر صورتیں ہیں جو نظر آتی ہیں۔ ان کا وقار دیکھو۔ ان کا شدتوں میں صبر کرنا دیکھو۔ ان کی احتیاط کو دیکھو جب کہ ان کے مقابل میں لشکر کبیر ہے۔ جو اپنے آپ کو ملک کہتا ہے مگر شہزادی زینبؑ نے شام میں یزید کے بھرے دربار میں اس کا جواب دیا تھا کہ جس کو تو ملک سمجھتا ہے وہ ملک نہیں ہے، حکومت نہیں ہے بلکہ مہلت ہے۔

یزید کو یہ مہلت ملی تو وہ سمجھا کہ اب ہم اس گھرانے کو تباہ کر دیں گے۔ مگر اس کو نہیں معلوم تھا کہ اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُتَّقِینَ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَن یُقْتَلُ فِی سَبِیلِ اللہِ اَمْوَاتٌ (سورہ بقرہ آیۃ ۱۵۴) جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جاتیں انھیں کبھی مُردہ نہ سمجھنا۔ یزید کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اللہ شہداء کو حیات عطا کرتا ہے۔ اس طرح حیات پانے والے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں حسین شہید راہِ خدا ہیں۔

حسینؑ ایک سلسلہ کا نام ہے، حسینؑ تنہا نہیں ہیں۔ حسینؑ وہ سلسلہ ہیں جو آدمؑ سے خاتم النبیینؐ اور آپ سے قیامت تک بچی زبانوں کا سلسلہ ہے۔ عزائم حق کا نام حسینؑ ہے۔ اس لئے حسینؑ مومن کی واحد تمنا ہیں۔ حسینؑ تجدید ہستی مومن ہیں۔ حسینؑ مومن کے لئے متقی کے لئے وہ منزلِ اعلیٰ ہیں جس کو دیکھ کر مومن مسلسل ترقی کی راہیں طے کرتا جاتا ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ اللہ کی ایک بڑی نشانی ہیں، صاحبان تقویٰ کے لئے ایک رمز ہے۔

شام ہو چکی ہے کربلا میں، کربلا کے میدان میں شام ہو چکی ہے۔ دنیا واقف ہو چکی ہے کہ کربلا میں کیا ہوا۔ محمدؐ کی بیٹی کا بیٹا حسینؑ ۲۸ رجب کو مدینے سے

نکلا۔ ۳ر شعبان کو مکہ پہنچا۔ ۸ر ذی الحجہ کو مکہ سے نکلا۔ ۲ر محرم کو کربلا پہنچے۔ ۶ر محرم کو لشکر آتے۔ سات محرم کو پانی بند ہوا۔ نویں محرم کو حسینؑ ہر طرف سے گھر گئے دسویں محرم کو فاطمہ کا بھرا گھر اجڑ گیا۔ یہ ہے عاشور۔ دسویں کو فاطمہ کا بھرا گھر اجڑ گیا۔ حسینؑ نے جان دے دی مگر ایک ہی دن کے فرق میں کیا سے کیا ہو گیا۔ کل کی رات تھی۔ عباسؑ تھے۔ علی اکبرؑ تھے۔ قاسمؑ تھے۔ عونؑ و محمدؑ تھے۔ کنبہ بھرا ہوا تھا۔ اصحاب باوفا تھے۔ آج کی رات خیمے جلے ہوئے تھے۔ بچے طمانچے کھا چکے ہیں۔ عجیب منزل فکر ہے۔ یقیناً حسینؑ ابن علیؑ اللہ کی ایک بڑی نشانی ہیں۔ صاحبانِ تقویٰ کے لئے ایک رمز ہیں اور کربلا رہتی دنیا تک اپنا پیغام درد کی موجوں پر بھیجتا رہے گا۔ مگر چند باتیں آج سن لو کربلا کے میدان میں شام ہوئی۔ قاتل خود بیان کرتے ہیں۔ مقتل تو اول ہی ویران تھا۔ چند لاشیں پڑی تھیں۔ مگر خدا کی قسم ہم نے دیکھا کہ ایک بی بی جس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ کبھی ایک لاشے پر جاتی اور کبھی دوسرے لاشے پر جاتی۔ اور کبھی دریا پر جاتی اور بار بار آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی کہ پروردگار میں نے اس بچے کو چکی پیس کر پالا تھا۔ پہچانا تم نے یہ کون ہے اور کس کا امتحان لیا گیا ہے۔ یہ کس کی آواز تھی راوی نے سید سجادؑ سے پوچھا کہ وہ کون بی بی تھیں تو انھوں نے کہا کیا تم نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ میری دادی فاطمہؑ تھیں۔ میری دادی فاطمہؑ تھیں کبھی زینبؑ کو سہارا دیتی نہ گھبراؤ بیٹی تمہارے بابا آئیں گے۔

تسلیم

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ (سورہ احزاب آیت ۲۲)

سورہ احزاب کی اس آیت سے جس کی میں نے ابھی تلاوت کی فضیلت حاصل کی یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ کے میدان میں دشمنوں کی کثرت تھی اور ہر طرف سے دشمن ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ اور اس کی تفصیل اس سے پہلے آیتوں میں موجود ہے۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (سورہ احزاب آیت ۱۰) وہ پہاڑوں پر سے اتر رہے تھے وادیوں سے نکل رہے تھے تمہارے مختلف اطراف سے دیہات سے یہ جمع ہو رہے تھے۔ اور ایسی منزل پر کہ جب یہ لشکر اس کثرت کے ساتھ احزاب میں جمع ہو رہے تھے جس کو خندق کہتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (سورہ احزاب آیت ۱۱) صاحبان ایمان کا امتحان تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شدید زلزلے دلوں میں آ رہے ہیں۔ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (سورہ احزاب آیت ۱۰) کلیجے منہ کو آ چکے تھے وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (احزاب۔ ۱۲) اور منافق یہ کہہ رہے تھے اور جن کے دل میں بیماریاں تھیں وہ یہ کہہ رہے تھے مَا وَعَدَنَا

اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا (احزاب-۱۲) آج اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے ہم کو دھوکا دے دیا۔ آج اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے فتح کا وعدہ کیا تھا مگر زلزلے کی یہ شدت، فوجوں کی یہ کثرت اور ان کی یہ طاقت اور ان کی یہ عسکری قوت دیکھ کر اب ہم کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ آج ہم مر گئے لیکن ابھی جس آیت کی تلاوت کی گئی وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ مگر جب صاحبان ایمان نے لشکروں کو دیکھا قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ان لوگوں نے کہا یہ ہے وہ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اور اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسولؐ بھی سچا ہے۔ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا اضافہ ہوا تو ایمان ہی کا اضافہ ہوا تسلیم ہی کا اضافہ ہوا، نہیں زیادتی ہوتی مگر ایمان میں اور تسلیم میں ایسی منزل پر دل نے یہ چاہا کہ آج ملت اسلامیہ کو پیغام دیتے ہوئے تسلیم پر گفتگو ہو جائے۔ تسلیم سپردگی، تسلیم اپنے آپ کو کسی کے حوالے کر دینا۔ تسلیم جہاں انسان قبول کرے اور مانے بغیر کسی چون و چرا کے بغیر کسی حکم کو جس کو وہ چاہتا ہے جس کو وہ مانتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے جس کی وہ عبادت کرتا ہے جس کی وہ پرستش کرتا ہے۔ اس کو قبول کرے یہ مقام تسلیم ہے، اسی سے اسلام ہے، اگر اس میں دسلم، ہو۔ اسلام سپردگی کی وہ منزل ہے کہ جہاں انسان صلح و آشتی کا اعلان کرتے ہوئے معبود کے حکم کے آگے، معبود کے فرمان کے آگے اپنے سر تسلیم کو خم کر دے۔ تسلیم۔ قرآن مجید میں عجیب بات یہ ہے کہ لفظ تسلیم تین مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ پہلے یہ آیت مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا اضافہ نہیں ہوا ایمان اور تسلیم میں کب فوجوں کی قوتوں کو دیکھ کر کب جب منافقوں کے دل الٹھ چکے تھے۔ جب ان کے کلیجے منہ کو آ چکے تھے۔ تو ایسے موقعہ پر صاحبان ایمان یہ کہہ رہے تھے کہ ہم تسلیم پر ہیں ہم کو تو مرضی مولا چاہئے۔ دوسرا

مقام سورۂ نساء کہ جہاں بتلایا کہ دیکھو یہ تسلیم کی منزل ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (سورۂ نساء آیت ۶۵) تیرے رب کی قسم وہ صاحبان ایمان نہیں ہے جب تک کہ تجھ کو اپنے مسائل میں حکم نہ بنائے اور جب تو کوئی فیصلہ کرے تو اس فیصلے کو اپنے دل سے قبول کرے۔ وہ فیصلہ ان کے دل پر گراں نہ ہو بار نہ بنے اور تسلیم کرے تجھ کو جو حق تسلیم کرنیکا ہے۔ سورۂ احزاب میں تسلیم سورۂ نساء میں تسلیم اب تیسری منزل یہ ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورۂ احزاب آیت ۵۶) اللہ اور اس کے ملائکہ رسول پر رحمتوں کو نازل کرتے ہیں۔ اللہ رحمت نازل کرتا ہے اور ملائکہ رحمت طلب ہیں اور اے صاحبان ایمان تم بھی رسول کے لئے رحمت کو طلب کرو۔ یہاں تک تو بات ختم ہوئی مگر عمل بتلایا تسلیم کرو جو حق تسلیم کرنے کا ہے حق تسلیم کیا ہے مسلمان کے لئے تسلیم کی منزل کیا ہے کہ وہ اس طرح سے تسلیم کرے جو حق ہے تسلیم کرنے کا۔ یا پھر جس طرح سے ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ کیا خصوصاً انگریزی کے ترجمہ کرنے والوں نے انگریزی زبان کے۔ انہوں نے کہا اس کو سلام کرو جو حق سلام کرنے کا ہے، دونوں صورتوں میں سلام ہو یا تسلیم اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کو ماننا ہے نبی کو تسلیم کرنا ہے چنانچہ اب اس آیت کے پہلے اور اس آیت کے بعد جس کی میں نے تلاوت کی۔ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۙ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ○ (سورۂ احزاب آیت ۲۲) اس آیت کے لئے ایک سیاق ہے ایک سیاق اس سے پہلے ہے ایک بعد پہلی آیت یہ ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب آیت ۲۱) تمہارے

لیے اللہ کے رسول ؐ کی ذاتِ گرامی بہترین نمونہ ہے اور تیسری آیت جو اس کے بعد ہے وہ یہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (سورۃ احزاب آیت ۲۳) صاحبان ایمان میں وہ لوگ بھی ہیں۔ وہ مردان خدا بھی ہیں، صاحبانِ ایمان میں وہ رجال ہیں کہ جو اپنے وعدوں کو سچا کر دکھاتے ہیں۔ ان میں مرنے والے مر چکے انتظار کرنے والے انتظار کر رہے ہیں کبھی ان کی فطرت نہیں بدلتی کبھی ان کی حاجت نہیں بدلتی کبھی ان کی نیت نہیں بدلتی۔ کبھی ان کی کیفیتِ باطنی نہیں بدلتی۔

یہ تین آیتیں ہیں۔ سورہ احزاب کی پہلی آیت میں یہ ذکر ہے کہ رسول ؐ کی ذات گرامی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ دوسری آیت یہ ہے کہ لشکر پہ لشکر آتے ہمارے ایمان اور تسلیم میں اضافہ ہوا۔ اور تیسری آیت یہ ہے کہ کچھ لوگ مر گئے اور کچھ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ اب ان تین آیتوں کو ملا کر پڑھیے۔ پہلی آیت حکم بن حکومت کر رہی ہے کہ رسول کی ذات میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ رسول کی ذات میں رسول کے اسوۂ حسنہ میں استقامت بھی ہے قیام بھی ہے بے خوف زندگی بھی ہے لشکروں کو دیکھ کر سکون و اطمینان کی کیفیت بھی ہے۔ رسول ؐ قرآن کا رسول ؐ، رسول مسلمانوں کا رسول ؐ، رسول ملت اسلامیہ کا رسول جن کے متعلق کبھی کبھی یہ سوچا جاتا ہے کہ مدینے میں آتے ہی طبیعت میں جارحیت آگئی اور مکہ میں رہے تو خاموش رہے صلح جو رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ یہ تصور قرآن کے اعتبار سے انتہائی غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورہ ہیں۔ ایک سو چودہ سورے ہیں قرآن میں اور اس میں آپ کو تعجب ہوگا کہ بہت کم سورہ ہیں جو مدنی ہیں اور باقی سب

مکی سورتیں ہیں۔ یہ سورہ ہائے طوال مدنی ہیں۔ سورہ بقرہ ہے سورہ آل عمران ہے۔
اور اس طرح سے آپ آگے بڑھتے جائیں گے۔ تو جو سورۃ طوال ہیں وہ مدنی سورتیں ہیں
مدینے میں نازل ہوئیں اور عموماً آپ دیکھیں گے کہ جو مکی سورتیں ہیں، مکے میں نازل
ہونے والی سورتیں ہیں ان کا عالم یہ ہے کہ ان میں الفاظ میں جلالت جنگ کے جلال
سے زیادہ ہے۔ انہیں الفاظ میں جلالت، غصہ، جوش، دھمکیاں تنبیہ مدنی سورتوں
سے کہیں زیادہ ہے آپ اگر تجزیہ کرتے ہیں ان تمام سورتوں کا تو صرف دو
تین سورتوں پر غور کیجئے۔ پہلی سورت سورۃ علق اس میں جلال دیکھئے اکیلا نبیؐ
کفارِ قریش کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہے ہاں! انسان کا پیٹ جب بھرتا ہے تو وہ
کفر کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور جلال کے الفاظ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ۔ دسورۃ علق
آیت ۵ احبیب کہہ دو اگر یہ باز نہیں آئیگا لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِیَۃِ ۝ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ۝
دسورہ علق ۵ ۱۶،۱) تو ہم اس کی پیشانی پکڑ کر کھینچیں گے۔ جھوٹی پیشانی خطا کار پیشانی
گمراہ کرنے والی پیشانی، پہلا سورہ پہلی وحی، جلال کا یہ عالم۔

دوسری وحی نون والقلم اور بے اختیار ارشاد ہوا کہ جس کو آپ نے محفوظ
بھی کیا ہے اپنے دماغوں میں کہ خبردار اے رسولؐ وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ
مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ
زَنِيمٍ ۝ (القلم ۱۰ تا ۱۳)

ہر قسم کی بہتان تراشنے والے کی اطاعت نہ کرنا، گنہگار کی اطاعت نہ کرنا، حد
سے آگے بڑھنے والے کی اطاعت نہ کرنا ہر نیکیوں میں حائل ہونے والے کی
اطاعت نہ کرنا اور ہر جس کا نسب صحیح نہ ہو اس کی اطاعت نہ کرنا اور ہر جو جھوٹ
جائے اپنے راستے سے اپنے بخل سے اپنی غلطیوں سے اپنے خواہشات نفس سے
اس کی اطاعت نہ کرنا یہ سورۃ نون والقلم اور یہ سارے الفاظ کہ اگر آج کوئی عرض

میں اور ابوطالبؑ سے کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ بھتیجے کی خبر لو تو ابوطالبؑ یہ نہیں کہتے کہ بیٹے تم جو کام کر رہے ہو یہ صحیح ہے مگر کوئی درمیانی راستہ اختیار کرو نا۔ کیا یہ کہا ابوطالبؑ نے کہ کوئی درمیانی راستہ اختیار کر لو۔ کیوں ان کو برا کہتے ہو نہیں! کہا بیٹے جو آپ چاہیں جس طرح سے آپ چاہیں تبلیغ کریں۔ بیٹے کو نہیں روکا مگر اس طرف کہا کہ خبردار! خبردار اگر کسی نے اپنی نگاہ کو بدلنے کی کوشش کی تو وہ ابوطالبؑ کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائے بھتیجا ایسا چچا ایسے۔

اب آپ دیکھئے یہ مکی زندگی۔ یہیں خیبر بھی ہے یہیں خندق بھی ہے یہیں حنین بھی ہے یہیں بدر بھی ہے اس کی بنیادیں سب مکہ میں ہیں آپ یہ نہ کہئے گا کہ مدینہ میں جا کر نبی بدل گیا نہیں جو مکہ میں تھا وہ مدینہ میں تھا کیوں فقط اس لئے فقط اس لئے کہ پہلی مرتبہ تسلیم کی منزل پر ختمی مرتبت نے اپنی گردن کو جھکایا تھا اور یہ کہا تھا کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (سورہ انعام آیت ۱۶۲-۱۶۳)

میری نماز، میرا روزہ، میری زندگی میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ پہلا مسلم تو میں ہوں تسلیم کی منزل پر تو میں ہی آپ نے دیکھا کہ یہ وہ نبی ہے کہ زمان وقت کے ساتھ کیفیت نہیں بدلتی۔ آغاز تسلیم، انجام تسلیم، مکہ میں تسلیم، مدینہ میں تسلیم، ہجرت کے موقع پر تسلیم اور پھر بدر ہو کہ احد، خندق ہو کہ خیبر، اور حنین کی منزل ہو یا سورہ برائت کی آیتوں کا لے جانا، تسلیم، تسلیم، تسلیم۔ ایسے رسولؐ نے اب یہ چاہا کہ تسلیم کا پیغام جائے۔ نواسے کو پالا اور سینے سے لگا کر کہا حسینؑ منی وانا من الحسین حسینؑ مجھ سے ہے میں حسینؑ سے ہوں۔ تسلیم، حسینؑ تسلیم کی منزل ہے اور

دوسرے عرب کو ان الفاظ سے یاد کرے تو تلواریں کھنچ جائیں گی۔ مگر اکیلا نبی صنادید
قریش کو خطاب کر کے آیتیں پڑھ رہا ہے۔ تیسری وحی سورۂ مدثر۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۝
نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ مَا
سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ (سورۂ مدثر آیت ۳۲ تا ۴۳)

یہ سلسلہ ہے آیتوں کا کہ جب سب جہنم میں چلے جائیں گے اور ان سے پوچھنے والے
پوچھیں گے کہ تم کیوں آئے تو کہا ہم نے نماز نہیں پڑھی نہیں۔ ہم نے مسکین کو
کھانا نہیں کھلایا تھا وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ (سورۂ مدثر آیت ۴۵) اور
ہنسی اڑانے والوں کے ساتھ مل کر رسول کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر
ارشاد فرماتے ہیں۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ (سورۂ مدثر آیت ۴۹) کیا
ہو گیا یہ تذکرہ سے کیوں بھاگ رہے ہیں كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن
قَسْوَرَةٍ ۝ (سورۂ مدثر آیت ۵۰ ۔ ۵۱) تیسری وحی اور عرب کے وہ قبائل، وہ عرب کے
سردار جو ایک شیر سے بھاگ رہے ہیں۔ قسورہ کو جمع کا صیغہ نہیں ہے واحد کا صیغہ
ہے، ایک شیر، ایک شیر۔

کسی نے امیر المومنین سے پوچھا مولا آپ نے اپنے آپ سے بڑھ کر بھی
کسی کو شجاع پایا کہاں، ہاں، مجھ سے زیادہ شجاع وہ میرے بھائی تھے اللہ
کے رسولؐ تھے، محمدؐ عربی تھے آپ نے دیکھا اب اس کی اصلاح کیجئے جارحیت
طلب نہیں ہے۔ وہاں جارحیت تھی یہاں صلح جوئی تھی ایسا نہیں پیغمبر اعلان
حق کے لئے آیا۔ اگر قیام حق کے لئے مکہ میں دل دکھتا ہے کافروں کا تو دیکھے۔
مدینہ میں دل دکھتا ہے تو دیکھے۔ اگر یہاں قیام حق میں کافر آستین چڑھاتے

یہ وہی منزل ہے کہ یہاں فاطمہؑ کا لال آخری سجدہ میں آج روزِ عاشور یہ بھی کہتا ہے۔

صَبْرًا عَلٰی بَلَائِکَ وَتَسْلِیْمًا لِاَمْرِکَ وَرِضًا بِقَضَائِکَ

میں تیرے حکم کے سامنے تسلیم کر رہا ہوں تیری رضا پر راضی ہوں تَسْلِیْمًا لِاَمْرِکَ یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے اور یہاں سجدہ کی یہ تسلیم کی منزل تھی۔

میر تقی میر نے کہا۔

زیرِ شمشیرِ ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

سجدہ کیا تسلیم کا سجدہ تھا اور تسلیم کے سجدے میں جان تھی تو یہ پہلے معنی ہیں اور اگر تسلیم کے معنی وہ ہیں جو کہا سلام کرو جو سلام کرنے کا حق ہے تو پھر سلام کرو سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ عالمین نوحؑ پر سلام سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ابراہیمؑ پر سلام سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهَارُوْنَ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ کے مصطفٰے بندوں پر سلام حسینؑ ہمارا سلام قبول ہو۔ ہمارا سلام قبول ہو فاطمہؑ کی جان۔ یہ سوگوار جمع ہیں جہاں جہاں آنسو جاری ہے وہاں وہاں سب سلام کریں حسینؑ کو سلام، عباسؑ کو سلام، علی اکبرؑ کو سلام، عونؑ و محمدؑ کو سلام، نہیں آگے بڑھ کر عابدِ بیمار کو سلام، بانیٔ ثانیٔ زہراؑ کی خدمت میں سلام، بی بی ام کلثوم کی خدمت میں سلام، سلام ہمارا ان سروں پر جن سے چادریں چھین لی گئیں، سلام ہمارا ان رخساروں پر جن پر طمانچے مارے گئے، سلام ہمارا ان بی بیوں پر جو جلتے ہوئے خیموں سے گھبرا گھبرا کر بچوں کو نکال رہی تھیں۔

رضائے رب

أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ (سورۂ توبہ آیت ۳۸)

کیا تم راضی ہو گئے حیاتِ دنیا پر آخرت کے بدلے کیا تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ تمہاری یہ ساری بساط یہ ساری کائنات، یہ دنیا کی ساری زندگی، یہ سارا مال و متاع آخرت میں بہت قلیل ہے۔ اس کی کوئی وقعت نہیں ہے اس دنیا پر تم راضی ہو گئے۔ اس دنیا کو تم نے اپنانے کی کوشش کی جس کی کوئی قدر آخرت میں نہیں ہے تو یہ وہ منزل فکر ہے جہاں سے ایک مستقل عنوان پر گفتگو مقصود ہے وہ یہ کہ انسان راضی ہوتا ہے حیاتِ دنیا پر اور چاہتا یہ ہے کہ یہ حیاۃ دنیا اس کو میسر آجائے حالانکہ آخرت کے اعتبار سے یہ متاعِ دنیا بہت ہی قلیل ہے (صلوات)

آپ نے دیکھا کہ بندوں کی خوشی یہ ہے۔ بندوں کی رضا یہ ہے بندوں کی خواہش یہ ہے کہ دنیا ملے اور ادھر ذاتِ واجب کی خواہش یہ ہے کہ لَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (سورۂ زمر آیت ۷) خدا راضی نہیں اس بات پر کہ بندے کافر ہو جائیں یہ سورۂ یونس کی آیت ہے جس کو اب آپ سنیں گے یہ تو آپ نے سن لیا لا یرضیٰ۔

لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ خدا راضی نہیں ہے اپنے بندوں کے کفر سے یہ سورہ زمر کی ساتویں آیت ہے اب سورہ یونس کی آیت میں ارشاد ہوا کہ تم نے حیاۃ دنیا کو اپنانے کی کوشش کی اور تم یہ سمجھے کہ تم راضی ہو گئے حیاۃ دنیا پر کب اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا (سورہ یونس آیت ۷) وہ لوگ جو ہماری ملاقات نہیں چاہتے وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں ہے دوری نہیں ہے ان کو ہماری بارگاہ میں نہیں آنا ہے۔ وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ وہ لوگ ہیں جو حیاۃ دنیا سے راضی ہو گئے وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا اور اطمینان سے بیٹھ گئے کہ آخرت نہیں ہے تو خدا کی رضا میں اور بندے کی رضا میں جو فرق بتلایا وہ یہ بتلایا کہ خدا راضی نہیں ہے کہ بندے سے راضی ہوں خدا راضی نہیں ہے کہ بندے فاسق ہوں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (سورہ توبہ آیت ۹۶) خدا راضی نہیں ہے فاسقین سے کہ بندے اس کے فسق و فجور کریں۔ خدا راضی نہیں ہے اپنے بندوں سے کہ وہ کفر کریں۔ بندے راضی ہو رہے ہے دنیا پر۔ تو ان دو کیفیتوں میں مرضی رب میں اور مرضی عبد میں ایک تضاد ہے ایک مخالفت پائی جاتی ہے اور اختلاف پایا جاتا ہے اور یہی وہ منزل ہے جہاں آج کی تقریر میں رضائے رب کے عنوان سے تقریر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اللہ کی مرضی کیا ہے۔ اور اس کو کس طرح سے حاصل کرنا چاہئے آپ کی مرضی تو یہ ہے کہ دنیا ملے مگر اللہ کی مرضی یہ ہے کہ کفر نہ ہو فسق نہ ہو فجور نہ ہو، بندے راہ سے نہ ہٹیں یہ آیتیں بہت ہی غور کے قابل ہیں ذرا ذرا سی مختصر سی آیتوں کو چن لیا۔ اس لئے کہ نوجوانوں کو یاد رہے جہاں جہاں آواز پہنچ رہی ہے یہ آیتیں رہیں لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ خدا راضی نہیں ہے کہ اس کے بندے کافر ہوں۔ اب ایک بات یاد رکھئے۔ رضائے پروردگار اس کو حاصل کرتا ہے۔ یہ بندگی کا کمال ہے، یہ بندگی کا عروج ہے۔ یہ بندگی کی روح ہے۔ یہ بندگی کی جان ہے۔ یہ انسانیت کے فیض کمال پر وہ

جو ہر ہے کہ جہاں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے مرضی رب کو حاصل کر لیا ہے۔ اور جیسے جیسے انسان کامل ہوتا جائے گا مرضی رب کو حاصل کرنے کے لئے بے چین ہوتا جائے گا۔ وہاں مرضی رب اس طرح سے بڑھ کر استقبال کرتی ہے کہ تو میری طرف کو ڈھونڈنے چلا تھا، اب میں تیری مرضی کو ڈھونڈتا ہوں۔ جو انسانیت کے کمال پر ہم کو جو انسان نظر آیا کہ جہاں یہ ارشاد ہوا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (سورۃ الضحیٰ آیت ۵) کہ اتنا عطا کریں گے کہ اے محمدؐ تجھ کو اتنا عطا کریں گے کہ تو راضی ہو جائے گا۔ یعنی مرضی معبود ڈھونڈتی ہے اس بندے کو کہ جس بندے کو خدا راضی کر دے یہ بندگی کا کمال ہے اور یہ کمال تب میسر ہوتا ہے جب بندہ رضائے رب کا متلاشی ہو کر اپنی خواہشات کو اپنی تمناؤں کو اپنی آرزوؤں کو جذبہ مرضی مولا کر دے۔ فنا کر دے مرضی مولا میں تو پھر وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا اب ہم راضی ہوئے۔ اور اس طرح سے راضی ہوئے کہ اب ہم کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ تم کس چیز سے راضی ہو۔ تو کتنا اطمینان ہے ذاتِ واجب کو کہ یہ بندہ وہ نہیں چاہے گا جو ہم نہیں چاہیں گے۔ یہ بندہ وہی چاہے گا جو ہم چاہیں گے اسی لئے کہا وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (سورۃ دھر آیت ۳۰) تم نہیں چاہتے ہو مگر وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے۔ رضائے رب کے عنوان پر گفتگو ہے۔ مالک کی مرضی بندے کے لئے سب سے اہم ہے کہیں رہو، کسی مقام پر رہو کسی حال میں رہو، مرضی مولا پر نظر ہے مگر مجھے سمجھنے کی کوشش کرو وہ یہ کہ مرضی مولا وہ نہیں ہے کہ جسے دنیا سمجھتی ہے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ کسی قاتل نے کسی کو قتل کر دیا۔ اور قتل کر کے سمجھے مرضی مولا یہی تھی اور اپنے بچاؤ کی کوشش کی۔ کسی نے چوری کی اور کہا کہ مرضی مولا یہی تھی اگر مرضی نہ ہوتی تو چوری کیوں کرتا کسی ظالم نے ظلم کیا اور ظلم کرنے کے بعد اس نے کہا کہ مرضی مولا یہی تھی اگر وہ نہیں چاہتا تو میں ظلم کیوں کرتا تو میں صرف اتنا سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ اس نے تمہیں پیدا

کیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے لوہے کو تیز کرنے والی عقل بھی دی۔ یہ صحیح ہے کہ تم کو یہ اختیار بھی دیا کہ تم لوہے سے خنجر بناؤ۔ یہ صحیح ہے کہ تم کو خنجر پکڑنے کی طاقت بھی دی۔ ارتکاب کرکے بے اختیار حجتوں کو بھی بھیجا، انبیاء کو بھیجا، رسولوں کو بھیج کر اس سے کہو کہ انسان کے نفس کا احترام کرو۔ یہ کسی کو قتل نہ کرے ہم راضی نہیں ہیں۔ تو اس حد کو پہنچا تو کہ عطا کرے روکتا کہاں ہے۔ عطا کرے روکتا ہے۔ قوت دی طاقت دی وہ اس لئے نہیں کہ کوئی جرم کرے اور کوئی اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی مرضی نہیں ہے کہ کسی بندے پر ظلم ہو یہ اپنے اختیار کو غلط استعمال کر رہا ہے۔ یہ اپنی آزادی کا غلط استعمال کر رہا ہے یہ تھوڑی سی فرصت دینا، یہ تھوڑی سی مہلت زندگی میں ملی ہے اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے ورنہ اس نے قوت اس لئے نہیں دی تھی کہ کوئی جابر کسی کمزور پر جبر کرے۔ اور ظلم کرے۔ اب ایسی حالت میں ظالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قتل کیا یہ اللہ کی مرضی تھی جو ہونا تھا وہ ہوا۔ چور یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے چوری کی یہ اللہ کی مرضی تھی نہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ جس کا مال چوری ہو گیا وہ یہ کہہ کر صبر کرے کہ یہ اللہ کی مرضی تھی۔ (صلوات)

جس پر ظلم ہوا وہ یہ کہہ کر صبر کرے کہ ہاں یہ مرضی تھی اور جس کو قتل کیا گیا وہ قتل ہونے سے پہلے کہہ سکتا ہے کہ مالک تیری مرضی کے آگے سر جھکا رہا ہوں۔ قاتل کو حق نہیں ہے کہنے کا کہ یہ مرضی تیری تھی۔ مقتول کو یہ حق ہے کہنے کا کہ یہ مرضی تیری تھی۔ اب آپ سمجھ گئے یہ ہے وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ خدا راضی نہیں ہے کہ اس کے بندے کافر ہوں خدا راضی نہیں ہے عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ان فاسق بندوں سے جو فسق و فجور کریں۔ قوم فاسقین سے خدا راضی نہیں ہے۔ خدا راضی نہیں ہے کہ وہ فسق و فجور کریں مگر مطلب یہ

ہے۔ اگر اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ فسق و فجور کرنے والا یا کفر کرنے والا بے اختیار اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے کہ جو ہونا تھا وہ تو وہیں لکھ دیا گیا۔ اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو کیوں قتل کرتا اگر اس خیال سے اور اس عقیدے سے تسلی دے تو یہ عقیدہ اس لئے غلط ہے کہ یہاں قاتل کو حق نہیں پہنچتا۔ انبیاء کے رسولوں کے معجزوں کے اوصیاءؑ کے اولیاءؑ کے آجانے کے بعد اور عقل جیسی حجت کے مل جانے کے بعد یہ حق نہیں پہنچتا کسی کو کہ وہ اپنے ظلم کا جواز ڈھونڈے اور اپنے جبر کا جواز ڈھونڈے اور اپنے گناہ کا جواز ڈھونڈے۔ ہاں جیسا کہ میں نے کہا یہ مظلوم کے لئے جائز ہے۔ یہ مظلوم کے لئے جائز ہے کہ وہ بے اختیار کہے کہ یہی مرضیٔ مولا ہے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ میرے سننے والے سمجھ گئے کہ کوئی واقعہ کربلا کو اس طرح سے سمجھنے کی کوشش نہ کرے کہ یہ اللہ کی مرضی تھی ہاں اس مرضی کے دو رخ ہوں گے۔ قاتل یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قتل اس لئے کیا کہ حسینؑ کے مقدر میں قتل تھا مگر حسینؑ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے نانا کے روضہ پر اِنّی اُخَیِّرُہٗ لِنَبِیِّکَ لِجَدِّی وَاَبِیْ میں اب اپنے نانا اور اپنے باپ کی سیرت پر چل رہا ہوں رِضَا اللّٰہِ رِضَانَا اَھْلِ الْبَیْتِ اب جو اللہ کی مرضی ہے وہ ہم اہل بیتؑ کی مرضی ہے۔ یہ وہ گھرانہ ہے جو جان دے کر اور اپنی جان بیچ کر مرضیٔ حق کا سودا کرتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ م بِالْعِبَادِ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۷) انسانوں میں وہ کون ہے جو اپنے نفس کو بیچ کر اللہ کی رضا کو خرید لے۔ یہ بھی تو وہ ہیں جو شب ہجرت بستر رسولؐ پر سو کر اپنے نفس کو بیچتے ہیں۔ رضائے حق کو خریدتے ہیں۔ تو یہ وہ گھرانہ ہے کہ بستر رسولؐ پر رضائے حق کو خریدیں یا خاک نینوا پر۔ مگر خریدیں رضائے حق ان سندوں

نے رضائے حق کو لے لیا اور اس کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو بندگی کے اس کمال پر پہنچا دیا جہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں اب اس کی مرضی اب انکی مرضی۔

ذرا سی بات ہے میں نے تین آیتوں سے استدلال کیا ہے کہ خدا راضی نہیں ہے کہ بندے کافر ہوں۔ خدا راضی نہیں ہے کہ بندے فاسق ہوں خدا راضی نہیں ہے اس بات پر کہ تم دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ۔ اور

أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ (سورہ توبہ آیت ۳۸) حیات دنیا کی بساط کیا ہے حیات دنیا کی متاع کیا ہے جس کے پیچھے دوڑ رہے ہو یہ "رے" کی حکومت کیا ہے یہ کس کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ تو یہ وضاحت کردی پھر اس کے بعد کہا کچھ بندے ایسے ہیں جو مجھ سے راضی ہوں میں ان سے راضی ہوں۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (سورۃ الفجر آیت ۲۷-۲۸) اے صاحب نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے رب کی طرف اور تو نے اپنے رب کی رضا کو خرید لیا ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (والفجر ۲۹-۳۰) میرے بندوں میں داخل ہو جا میری جنت میں آجا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بندے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی مرضی ہے۔

ابن عباس نے کہا جاتے ہوئے کہ اکیلے جائیے یہ بہنوں کو کیوں لے جا رہے ہیں تو اب جو جواب طلاب سمجھنا چاہتے آپ کو۔ جواب دیا۔ ابن عباس إِنَّ اللهَ شَاءَ أَنْ يَرَاهُنَّ سَبَايَا اللہ نے یہ چاہا ہے کہ یہ در بدر پھریں قدموں پر گر گئے۔ عبد اللہ ابن جعفر طیار نے روکا مولانا جائیے تو بے اختیار فرمایا۔ إِنَّ اللهَ شَاءَ أَنْ يَرَانِي قَتِيلًا اللہ نے یہ چاہا ہے کہ مجھے اپنی راہ میں قتیل دیکھے اس گفتگو سے آپ ہی کے لئے محنت نہیں ہے۔ میری گفتگو کو سمجھنے

کی کوشش کیجئے۔ اس گفتگو سے قاتل کے لیے حجت نہیں کہ جب خدا نے چاہا تو ہم نے قتل کر دیا۔ اگر یہ نظام ہو تو ساری کائنات میں نظام عدل کو درہم برہم پائیں گے کہ خدا نے یہ چاہا۔ خدا نے یہ چاہا۔ ہر شخص کوئی کام کرے یہی کہے گا کہ خدا نے یہ چاہا۔ مگر جو آپ اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ آپ اپنے خالق کے لیے کیسے پسند کرتے ہیں اور یہ وہ منزل ہے کہ جہاں بار بار آئمہ اہلبیتؑ کے لئے پائیں گے کہ اللہ کی مرضی یہ ہے اور یہی ہونا چاہیئے۔

گفتگو ختم ہوئی میں نے اس آیت سے شروع کیا تھا۔ اَرَضِیتُم بِالحَیٰوۃِ الدُّنیَا مِنَ الآخِرَۃِ کیا تم حیات دنیا پر راضی ہو گئے آخرت کے بدلے۔ اور میری آخری منزل یہ ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ نے سجدہ آخر میں اس دعا کو شروع کیا جو رضائے رب کی دعا تھی کہ رِضًا بِقَضَاءِہٖ وَتَسلِیمًا۔ لِاَمرِہٖ میں راضی ہوں اس کے فیصلے پر۔ حسینؑ راضی ہیں لَا مَوجُودَ سِوَاہُ تیرے سوا کوئی خالق نہیں ہے یَا غِیَاثَ المُستَغِیثِینَ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سننے والے تیرے سوا کوئی نہیں ہے میرا رِضًا بِقَضَاءِہٖ وَتَسلِیمًا لِاَمرِہٖ میں راضی ہوں اس کے فیصلے پر میں تسلیم کرتا ہوں اس کے امر کو مگر دعا کو جس مقام پر ختم کیا وہ جملہ یہ تھا۔

پروردگار میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔ شام غریباں کی مجلس ہے حسینؑ ابن علیؑ کا وعدہ پورا ہوا اور میں نے سجدہ آخر سے گفتگو شروع کی ہے اور یہ چاہتا ہوں کہ یہ بتلاؤں کہ یہ سجدہ عصر کا وقت تھا اور اس کے بعد کربلا میں شام ہوئی، شام ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس بارگاہ میں بڑی رونق تھی آج یہاں سب مٹی پر بیٹھے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں مگر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کل کی رات میں اور آج کی رات میں کچھ فرق ہے

ممکن ہے کہ آپ کو نظر نہ آتے۔ فرق کوئی زینبؑ کے دل سے پوچھے، کوئی ام لیلیٰؑ کے دل سے پوچھے، کوئی ام ربابؑ کے دل سے پوچھے کوئی ام فروہؑ سے پوچھے کہ ان دو راتوں میں فرق کیا ہے کل کی رات کیسی گزری شب عاشور کیسی گزری عباسؑ خیمے کے گرد تھے۔ علی اکبرؑ بار بار اٹھ کر دیکھ رہے تھے کہ کون ناصر حسینؑ کہاں ہے قاسمؑ ابن حسنؑ خیموں کے اطراف تھے۔ بچے تلواریں لئے ہوئے اپنی ماؤں کے پاس ماؤں کو تسلی تھی میرے لال ہیں۔ بی بیوں کو تسلی تھی ہمارے وارث ہیں اور پھر حسینؑ ابن علیؑ موجود ہیں۔ ایک دن میں کوئی گھر اس طرح نہیں اجڑا۔ ایک دن میں کوئی گھر اس طرح سے تباہ نہیں ہوا جو کل کی رات گزری فرزند رسولؐ ایک ایک کے خیمے میں جاتے دعا کرتے۔

کوئی بندگی میں مشغول ہے کوئی داد شجاعت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ کل ہماری شجاعت دیکھنا۔ آپس میں انصار حسینؑ باتیں کر رہے ہیں تو یہی باتیں کر رہے ہیں کہ کل بتلائیں گے کہ کیسے جنگ ہوگی۔ حسینؑ ابن علیؑ سب کے لئے دعائیں کر رہے ہیں ہاں شہزادیاں مطمئن ہیں کہ علی اکبرؑ ہیں عونؑ و محمدؑ ہیں میں آپ سے پوچھوں کہ آج گیارہویں کی رات کون ہے۔ آج کون ہے بھرا گھر خالی ہو گیا۔ عباسؑ نہیں، علی اکبرؑ نہیں، عونؑ محمدؑ نہیں، قاسمؑ ابن حسنؑ بھی نہیں اور گھر کا والی بھی نہیں گھر کا وارث بھی نہیں اور ایسے میں گیارہویں کی رات آئی خیموں میں چراغ نہیں تھے مگر روشنی ضرور تھی اور وہ روشنی تھی خیموں کے جلنے کی

چراغ شام غریباں میں کس طرح جلتے
کسی کے گھر کو جلایا ہے روشنی یوں ہے

روشنی خیموں کے جلنے کی تھی اور کوئی نہ تھا ہر ایک یاس کے عالم میں ناامیدی کے

عالم میں اپنے اپنے وارث کو یاد کرتے ہوئے جلے ہوئے خیموں کے قریب تھا سوا ایک بی بی کے جو نہ بچوں کو یاد کر رہی تھی نہ بھائی کو یاد کر رہی تھی بے اختیار یک ایک خیمے میں جاتی اور جیسے جیسے وہ خیمہ جلتا بی بیوں کو باہر لاتی بچوں کو باہر لاتی۔ عابدؑ بیمار کو کھینچ کر باہر لائی اور کہا آؤ سب نزدیک آؤ یہ کنبے کی وارث ہے زینبؑ۔ یہ کنبے کی محافظ ہے زینبؑ۔ اب زینبؑ کی ذمہ داری، اب عباسؑ زینبؑ۔ علی اکبرؑ زینبؑ۔ قاسمؑ زینبؑ۔ حسینؑ زینبؑ۔ اب سب کی نیابت زینبؑ کرے گی۔ ایک ایک بچے کو سنبھالے ادھر آؤ میرے نزدیک آؤ گھبراؤ نہیں ڈرو نہیں کسی کی مجال نہیں ہے کہ اب خیموں کی طرف آئے اب اسد اللہ کی بیٹی موجود ہے۔ اللہ۔ اللہ کسی کو اس طرح کی پریشانی نہ ہو۔ جہاں جہاں میری آواز پہنچ رہی ہے ممکن ہے وہاں حیرانی ہو ممکن ہے وہاں پریشانی ہو ممکن ہے وہاں اسیری ہو۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ بھی قید و بند کی زحمتیں جھیل رہے ہوں مگر تم یاد کرو آج کی رات کو تم یاد تو کرو آج کی رات کو ظاہر ہے کہ تمہارے لئے اے اسیرو! اے قید ہونے والوں ہمارے دل دکھتے ہیں مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کربلا والوں کو۔ کربلا والے یاد آتے عجیب عالم میں یاد آتے کربلا والے میں نے تقریر خاتمے پر پہنچائی یہ قیامت کی رات ہے آؤ آؤ ہم تم مل کر آخری مرتبہ رضائے حق کو پانے والوں کو سلام کریں اور جہاں جہاں میری آواز جا رہی ہے وہ بھی سلام کریں۔ سلام ہو علی اکبرؑ پر، سلام ہو ہمارا عباسؑ پر سلام ہو ہمارا قاسمؑ ابن حسنؑ پر سلام ہو ہمارا عونؑ و محمدؑ پر اور کچھ آگے اے سلام ہو ہمارا فاطمہؑ کے اس لال پر جس کی لاش پامال کر دی گئی۔

اتّباعِ حق

بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۖ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ

(سورہ یونس آیت ۳۵)

سورۂ یونس کی اس آیت کا ظاہری ترجمہ یہ ہے "پوچھو کیا تمہارے رفقائے کار میں کوئی ایسا بھی ہے جن کو تم اپنے کاروبار میں شریک بنا رہے ہو، کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرے؟ کہدو کہ یہ ہدایت اللہ کے ہی لئے ہے۔ اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ بتلاؤ جو حق کی طرف ہدایت کرے اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ شخص اس بات کا مستحق ہوگا جو ہدایت یافتہ نہ ہو اور وہ ہدایت کو خود ڈھونڈ رہا ہو۔ کیا دنیا اس کی پیروی کرے گی؟ کیا ہوگیا۔ تم کیا فیصلہ سنا رہے ہو۔ کیا ہوگیا تم کیا حکم دے رہے ہو۔

صورتِ حال ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم ہر آن، ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر گھڑی اپنے کمال کو "اتباعِ حق" میں محفوظ پاتے ہیں اور انسانیت کی نجات اسی میں ہے کہ "اتباعِ حق" اس کے پیشِ نظر رہے۔ اور "اتباعِ حق" کی منزل پر کلام مجید نے جس جس طرح سے اس موضوع کو واضح کر دیا ہے وہ بھی پیشِ نظر رہے۔ صراحت اس امر کی

کردی کر دیکھو کہیں اس اتباع کے بہانے یا اس اتباع کے پردے میں ایسا نہ ہو کہ ظالم کی پیروی ہو، مفسد کی پیروی ہو، ہوا اور ہوس کی پیروی ہو، خواہشات نفس کی پیروی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صرف ظن و تخمین ہی کی پیروی کرتے رہو، اندازے پر چلتے رہو، یہ نہیں ہوگا سنو۔!

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ (سورۂ اعراف آیت ۱۴۲) دیکھو فساد کرنے والوں کا راستہ اختیار نہ کرو۔ دیکھو یہ جان لو بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورۂ روم آیت ۲۹) دیکھو ظالم وہ ہیں کہ جنھوں نے اپنے خواہشات کی پیروی کی بے جہالت کے عالم میں، وہ صرف اپنے نفس کی پرستش کر رہے ہیں اور واضح کر دیا کہ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ (سورۂ انعام آیت ۱۴۸) اکثر و بیشتر کا یہ عالم ہے کہ فقط پیروی کئے جا رہے ہیں، اندازہ و تخمین و گمان کی کہ جس کو حق سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (سورۂ یونس آیت ۳۶) گمان کو، تخمین کو، اندازے کو، حق سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔

اہم ترین مسئلہ ہے زندگی کا مسئلہ اِتباع، کہ پیروی کس کی کی جائے اور کس کی نہ کی جائے۔ یاد رکھئے کہ انسان اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں، بچپن ہو کہ جوانی، کہولت ہو کہ ضعیفی، ہر آن ڈھونڈتا ہے ایسے اداروں کو جہاں جا کر وہ پیروی کرے اور اپنی زندگی کے لئے کوئی راہ اختیار کرے، ماں، باپ، خاندان، مدرسہ، دوست، احباب، حکومت، معاش اور زندگی کے مختلف ذرائع کی تلاش یہ سب وہ ادارے ہیں جہاں انسان پیروی کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ بچہ اپنے ماں باپ کی پیروی کرتا ہے، بچہ اپنے گھر کے رسم و رواج کی پیروی کرتا ہے۔ بچہ جس خاندان میں پلتا ہے اور بڑھتا ہے اس خاندان کے افراد کی پیروی کرتا ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔

مدرسہ میں آتا ہے تو استاد کی سیرت کی پیروی کرتا ہے۔ استاد اس کی نگاہوں میں ایک جگہ بنالیتا ہے اور پھر احباب اس پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ وہ اپنی تاثیر سے اپنی رائے سے بار بار اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی پیروی کرے۔ اور اس طرح سے معاش کے نظام میں بھی تجارتیں، ملازمتیں انسان کو کسی نہ کسی کی پیروی پر مجبور کر دیتی ہیں اور پھر حکومت کے احکام تو جبری کر دیتے ہیں کہ اگر وہ حکومت راستی پر ہے، حق پر ہے تو ظاہر ہے اس کا اثر جدا گانہ ہوتا ہے۔ اگر وہ حکومت باطل کے ساتھ ہے اور جبر و استبداد کے ساتھ ہے تو اس کا اثر کچھ اور ہے اسی طرح سے قدم قدم پر تاثیری کا اثر ہے۔

قدم قدم پر انسان اتباع کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ قرآن مجید یہ چاہتا ہے کہ دیکھو شروع سے لے کر آخر تک اس پیروی کی منزل کی نگرانی کرو، دیکھو تمہارے لئے سب سے اہم مسئلہ بچوں کی تربیت ہے سورۂ بقرہ میں آیت کا نشان ۲۶۶ ہے ارشاد ہوا۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (سورۂ بقرہ آیت ۲۶۶) کیا تم یہ دوست رکھتے ہو کہ تمہارے پاس ایک باغ ہو انگور کا، کھجور کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور اس باغ میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں۔ ایسے میں باغ کے مالک پر ضعیفی چھا جائے۔ باغ کا مالک بوڑھا ہو جائے۔ باغ کے مالک پر ضعیفی طاری ہو جائے۔ اور اولاد کمزور ہو جائے ایسے میں ایک تیز گرم جھلسا دینے والی ہوا چلی جس نے باغ کو جلا کر خاک کر دیا، اسی طرح سے خدا تمہارے لئے نشانیوں کو بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو۔

دیکھو بڑی سے بڑی دولت تمہارے پاس سہی اگر ذریت کمزور ہو گئی

اگر بچوں کی تربیت پوری نہ ہو سکی وہ دولت ایک پانی کی مانند ہے جو جل کے رہ

جائے گی جو تباہ ہو جائے گی۔ اگر سنبھالنے والی اولاد نہ رہے۔ قرآن کا تقاضا یہ ہے

کہ بچوں کی تربیت کرو اتباع کی صحیح منزل کو سامنے رکھو جوانوں کے لئے منفیوں کے

لئے سورۂ زمر میں ارشاد ہوا اور عجیب شان سے یہ ارشاد ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ

اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (سورہ زمر آیت ۱۷، ۱۸) اے میرے بندوں کو

بشارت دو جو ہر ایک کی بات کو سنتے ہیں۔ ان کو بشارت دو کہ وہ ہر ایک کو حسن کی

کی پیروی کرتے ہیں جو بہتر چیز کی پیروی کرتے ہیں ہر کس و ناکس کی پیروی نہیں

کرتے، یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ نے ہدایت کی اور یہی صاحبانِ عقل ہیں؟

تو آپ نے دیکھا کہ ایک طرف تو قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ مفسد کی پیروی نہ

کرو، ظالم کی پیروی نہ کرو، فاسق کی پیروی نہ کرو ایک طرف تو قرآن کا یہ ارشاد ہے

کہ ظن و تخمین و اندازے کی پیروی نہ کرو، بتلا دیا کہ ایمان وہ ہے کہ جہاں حق کی پیروی

ہو۔ کفر وہ ہے جہاں باطل ہو۔ باطل نگاہوں کے سامنے رہے، اور انسان باطل

کی پیروی کرتا جائے، بچایا قرآن نے باطل کی پیروی سے۔ قرآن مجید نے

آگے بڑھ کے عاد و ثمود کے واقعات بتلائے اور یہاں تک کہہ دیا کہ

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ

عَنِيدٍ (سورہ ہود آیت ۵۹) یہ قوم عاد ہے جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا

تھا اور پھر انھوں نے رسولوں کی طاقت سے، بینات سے، ان کی زندگی سے

فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان کی معصیت کی اور پھر وہ متابعت کئے جا رہے تھے

ہر جبار کی ہر حق فراموش کی، راستے سے ہر ہٹ جانے والے کی۔ اس قوم نے

مخالفت کی تھی متابعت نہ کی تھی اور یہ قوم تباہ ہو کر رہ گئی۔ جگہ جگہ قرآن نے مثالیں دیں آج قوم ثمود، قومِ نوحؑ، قومِ ابراہیمؑ اور قومِ موسیٰؑ اور قوم مسلم کو یہ درس دیا کہ اگر پیروی کی منزل پر آنا ہے تو آنکھیں کھول کر جان بوجھ کر وہاں کبھی یہ نہ کہنا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی پیروی کریں گے۔ وہاں کبھی یہ نہ کہنا کہ احسن کے ہوتے ہوئے کسی بری یا بگڑی ہوئی چیز کی پیروی کریں گے۔ اسے اپنا نقصان کرلوگے۔ اپنے بچوں کی تباہی کو مول لوگے۔ اگر احسن کی پیروی نہ کروگے۔

یہ وہ احکام تھے کہ جہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں بار بار کہا گیا کہ دیکھو ہدایتوں کی پیروی کرو، ہوا کی پیروی نہ کرو، خدا کی پیروی کرو، ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں کہ ڈرتا ہوں اپنے بعد اس لئے نہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا تم نصرانی ہو جاؤ، ڈرتا ہوں اس لئے کہ کہیں تم میں اتباعِ ہوا نہ پیدا ہو جائے۔ کہیں معمولِ عمل نہ پیدا ہو جائے۔ تو یہ عرض کرنا تھا کہ یہ منزلِ ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے مثالیں معین کردیں۔ اور سب سے اہم مثال، سب سے اہم اسوہ ہم کو جو عطا کیا گیا ذاتِ گرامی ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰؐ ہے اور آواز دی کہ دیکھو اس کی پیروی لازم ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (سورۂ آلِ عمران آیت ۳۱) کہہ دو اے رسولؐ اگر ان کو اللہ کی دوستی کا دعویٰ ہے تو یہ میری پیروی کریں۔ اتباعِ رسولؐ میں آگے بڑھیں، کیوں آگے بڑھیں؟ اس لئے کہ نبی جیسے متابعت کی منزل پر یہ کہا تھا۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (سورۂ انعام آیت ۵۰) میں کسی کی متابعت نہیں کرتا میں تو وحیِ ربانی کی متابعت کرتا ہوں یہ نبیؐ تابعِ وحی ہے۔ امت کو حکم دیا گیا ہے کہ تم تابعِ نبیؐ بن جاؤ۔ تاکہ قدم قدم پر تم وحیِ ربانی کے سائے میں اور حکمِ ربانی کے سائے میں پروان چڑھ سکو، نبیؐ وہ ہے جو

تابع وحی ہے اور کہہ رہا ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اور امت کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ میری پیروی کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (سورہ طور آیت ۲۱) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جب ان کی ذریت نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔ یعنی پھر سنیئے، جو ایمان لائے ان کی ذریت ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔

ابراہیمؑ کہتے ہیں فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (سورہ ابراہیم آیت ۳۶) "جو میری متابعت کرے وہ مجھ سے ہے" اس لئے رسولؐ نے دیکھا جو آلِ رسولؐ نے رسولؐ کی یہاں تک پیروی کی کہ ایمان میں آلِ رسولؐ رسولؐ سے ملحق ہو گئی تو رسولؐ نے کہا حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں" یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ بیٹی کا بیٹا ہے، فاطمہؑ کا نورِ نظر ہے، یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ نواسہ ہے بلکہ امام حسینؑ نے اتنی پیروی کی کہ رسولؐ کے نقشِ قدم پر ایسے چلے کہ ہم نے ان کو ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔

اور اس طرح قولِ ابراہیمؑ کی تکمیل ہوئی "جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا" یہ ہے مقام معیتِ حسینؑ، وہ حسینؑ جس کی یاد کو منانے کے لئے اور جس کے غم کو باقی رکھنے کے لئے اور ماتم کرنے کے لئے ہم آج یہاں پر جمع ہوئے ہیں، باعتبارِ معیت و متابعت یہ ذکر ذکرِ حسینؑ نہیں، ذکرِ محمدؐ عربی ہے۔ یہ ذکر ذکرِ خاتم النبیینؐ ہے۔ اب آپ سمجھ گئے اس ذکر کی اہمیت کیا ہے۔ اگر تابع ہیں حسینؑ رسولؐ کے اور اگر رسولؐ تابع ہیں وحی کے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حسینؑ مرضیِ مولا کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اگر مدینے سے نکلے تو مرضیِ مولا تھی، اور اگر مکے کو چھوڑا تو مرضیِ مولا ہی تھی، اور اگر کربلا میں آنا تھا تو مرضیِ مولا ہی تھی، اور اگر یہ طے کر لیا تھا کہ ہمارے خیمے فرات سے

ہٹ جائیں گے تو مرضیٔ مولا یہی تھی اور یہ طے کر لیا تھا کہ ۷۲ کا لشکر ہزاروں سے ٹکرا جائے گا تو مرضیٔ مولا یہی تھی۔

کوئی یہ نہ کہے کہ حسینؑ نے ایسا کیوں کیا؟ اس واسطے کہ حسینؑ تابع وحی الہٰی ہے۔ تابع ہوا و ہوسِ شیطانی نہیں ہے۔ اسی لئے حسینؑ نے بیعت سے انکار کیا تھا کہ دنیا جان لے کہ بیعت تابع ہوس ہونا ہے۔ جو ایک مرتبہ اپنے آپ کو ذاتِ واجب کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے۔ وہ پھر کسی اور کے ہاتھوں نہیں بکتا۔ ظلم کرنے والے ہوا و ہوس کی متابعت کرتے ہیں۔ ظلم کرنے والے یَأمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (سورہ نور آیت ۲۱) تم کو برائی کا حکم دیتے ہیں وہ تم کو بری باتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔ فرزندِ رسولؐ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور آواز آئی فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱) پس خوش ہو جاؤ۔ پس بشارت پا جاؤ کہ تم نے بڑا اچھا سودا کیا ہے۔ اور یہ کامیابی عظیم ہے عظیم کامرانی ہے۔

فرزندِ رسول متابعت رسول کی منزل پر ہیں۔ اور اس متابعت کی آخری منزل ہے کہ جہاں آواز دیتا ہے قرآن وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (سورہ طٰہٰ آیت ۴۷) سلام ہو اس پر جو ہدایتوں کی پیروی کرے۔ اگر قرآن[1] میں سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ہے، اگر قرآن میں سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ہے۔ اور سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ہے تو پھر کربلا والوں کے لیے بھی قرآن میں سلام موجود ہے اور وہ یہ کہ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ۔ سلام ہو اس پر جس نے ہدایتوں کی پیروی کی۔ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (سورہ نمل آیت ۵۹) سلام ہو اس پر جو اس کے بندوں میں چنے ہوئے بندے ہیں۔ مصطفےٰ بندے ہیں۔ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

---

[1] انبیاء پر سلام سورہ صافات آیت ۷۹، ۱۰۹، ۱۲۰، اور ۱۳۰ میں ہیں۔

(سورۃ رعد آیت ۲۴) سلام ہو تم پر کیا صبر کیا تم نے، میرے صابر بندوں پر سلام ہو۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ (سورہ یٰسین آیت ۵۸) رب رحیم کی طرف سے سلام ہو۔ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ (سورۃ زمر آیت ۳) تم پر سلام ہو۔ یہ جنتوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔"

وہ جہاں ملائکہ مقربین شہداء پر سلام کر رہے ہوں، جہاں ہدایت پانے والوں پر سلام لازم ہے تو وہاں ایک مرتبہ ہم سلام کریں اور اس آقا کو سلام کریں، اس مولا پر سلام کریں کہ جس پر اس وقت سلام ضروری ہے۔ سلام ہو میرا کربلا کے اس شہید پر جس کی لاش اس وقت بے گور و کفن پڑی ہے۔ سلام ہو میرا فرزند رسول آپ پہ اس لئے کہ آپ نے صبر کیا۔ اس لئے کہ آپ نے ہدایت رسولؐ کی پیروی کی۔ سلام ہو میرا فرزند رسولؐ آپ پر اور اس بہنے والے خون پر، اس بہنے والے لہو پر، اس شہید پر جو آپ کے زانوؤں پر دم توڑ رہا تھا، ایک ایک شہید پر ہمارا سلام ہو فرزند حسینؑ ابن علیؑ پر سلام ہو، برادران حسینؑ ابن علیؑ مظلوم پر سلام، سلام ہو علی اکبرؑ پر، سلام ہو عونؑ محمدؑ پر، سلام ہو قاسمؑ ابن حسنؑ پر سلام ہو عباسؑ علیؑ پر اور سلام ہو ہمارا ان اصحاب و انصار پر جو لبیک کہہ کر اپنی جانیں فرزند رسولؐ پر نثار کر رہے تھے اور اعلان کر رہے تھے کہ ہم ہوا و ہوس کے ساتھ نہیں ہیں خدا کے ساتھ ہیں۔

ایک تقسیم ہو چکی تھی کربلا میں، اس طرف ہوا ہے اس طرف خدا ہے، جو خدا کے ساتھ ہے ان سب پر ہمارا سلام ہے۔ ہمارا سلام ہو شام غریباں کی اس مجلس میں اس امام مظلوم پر جس نے آخر وقت کہ انتہائی صبر و استقلال و استقامت سے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایتوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور جس کے ساتھ مرنے والے ایک ایک شہید نے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایت کے ساتھ ہے

کسی جوا اور ہوس کے ساتھ نہیں ہے۔

ہمارا اسلام قبول ہو رہا ہے۔ ہم اب سلام کریں گے اس بی بی پر جس کا نام ثانی زہرا زینبؑ کبریٰ ہے جو فاطمہ زہراؑ کی نائب ہے۔ بی بی غلاموں کا سلام قبول ہو۔ بی بی آج پہلی رات ہے جہاں اہل حرم کی نگرانی آپ کو کرنا ہوگی۔ بی بی کل تک عباسؑ تھے کل تک عونؑ و محمدؑ تھے۔ کل تک قاسم ابن حسنؑ تھے۔ کل تک علی اکبرؑ تھے، بی بی آج آپ جلے ہوئے خیموں کی نگرانی کریں گی، ہمارا اسلام قبول ہو اور ہمارا سلام ہو اس یتیم بچی پر کہ جو طمانچے کھا کھا کر چچا کو پکار رہی ہے، آؤ چچا خیمے جل رہے ہیں، چچا نہیں آتے، سکینہؑ کا کرتا جل گیا چچا نہیں آئے، سکینہؑ نے طمانچے کھائے چچا نہیں آئے بی بی ہمارا اسلام ہو آپ پر اے سکینہؑ بی بی آپ رات کے اندھیرے میں، آپ جائیں گی بابا کے سینے پر سونے کے لئے۔

صبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر)

شرافتِ انسان کا اعلان کرتے ہوئے قرآن نے بعض ایسے فضائل معین کر دیئے اور بعض ایسی خصوصیتوں کا انسان کے لئے وجوب ثابت کیا کہ جن کے فضائل وخصوصیات کی بنا پر انسان کی انسانیت ساری موجودات میں محلِ ذکر وفکر بن گئی، ان تمام فضائل نفسی، ان تمام حسنات وکمالاتِ نفسِ انسانی میں ایک اہم منزل ایک اہم منزلت ایک اہم مقام شرافت صبر قرار پایا۔ صبر صرف انسان ہی کے لئے ہے۔ نہ حیوان کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، نہ فرشتوں کے لئے۔ حیوان کے لئے یہ استعمال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ صبر بدون تعقل نہیں، صبر بغیر علم نہیں، جتنا علم کمال پر جائے گا اسی قدر صبر منزلِ تکمیل پر پہنچے گا۔

اور پھر صبر قیام ہے یعنی ایک لشکر کا دوسرے لشکر کے مقابل میں قیام کرنا صبر ہے، یعنی باطل کے مقابلے میں حق کا قیام صبر ہے کذب کے مقابل میں صدق کا قیام صبر ہے، ظلم کے مقابل عدل کا قیام صبر ہے، ناحق کے مقابل میں حق کا قیام صبر ہے، کیونکہ حیوانیت کے لئے، بہیمیت کے لئے نہ علم ہے اور نہ قیام تصور

میں آسکتا ہے۔ اس لئے حیوانیت کے واسطے یہ صفت کبھی مذکور نہیں ہوئی۔

اور ملائکہ کے لئے لفظ صابر اس لئے نہیں آیا کہ ملائکہ ہر آن مقامِ تقرب میں
جمالِ حضرت احدیت میں فیض یاب و فیض کام ہیں۔ وہاں نہ شہوات ہیں نہ خواہشات
ہیں کہ ان پر قابو پانے کے لئے صبر کی ضرورت ہے۔ اس لئے ملائکہ سے صفت
خواہش کو لے کر اس صبر کو ضروری نہ جانا۔ یہ فقط ایک انسان ہی ہے جس کے لئے
صبر لازم قرار پایا۔ اور اس لئے لازم قرار پایا کہ اگر مصیبت پر مردوں کی طرح
صبر نہیں کرتا تو احمقوں کی طرح مصیبت کو بھلانا پڑتا ہے۔

ایک عظیم منزل ہے صبر کی یہ عجیب صفت ہے۔ قرآن مجید نے ۹۰ سے زیادہ
مقامات پر صبر کا ذکر کیا ہے انبیاء کے ساتھ اس صفت کو موصوف کیا۔ اور ہر نبی کا
تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بزرگی کی صفت صبر کو ظاہر کرتے ہوئے کہا اِنَّا وَجَدْنٰهُ
صَابِرًا (سورۂ ص آیت ۴۴) ہم نے اس کو صابر پایا۔ ختمی مرتبتؐ کے لئے ارشاد ہوا۔
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سورۂ احقاف آیت ۳۵) اسی طرح صبر کرو جس
طرح اولی العزم انبیاء نے صبر کیا۔ تو آپ نے دیکھا کہ فقط انسان کی شرافت صبر
نہیں ہے بلکہ اولی العزم کا کمال اور ان کے پہچانے جانے کی ایک صفت صبر ہے
انبیاء پہچانے جاتے ہیں صبر سے۔

باپ نے بیٹے کو خواب سے آگاہ کیا، بیٹا بھی نبی، باپ بھی نبی بیٹا نبوت کی اس
منزل پر فائز ہے کہ فرمایا کہ ہم نے بچپن ہی میں اسے قوتِ فیصلہ عطا کر دی تھی، جب
باپ نے بیٹے سے کہا يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (سورہ
صافات آیت ۱۰۲) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، بتاؤ تم کیا
سمجھتے ہو تمہاری رائے کیا ہے۔ بتاؤ تمہاری مرضی کیا ہے تو بیٹے نے کہا يٰٓاَبَتِ
افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صافات ع ۱۰۲) بابا جو حکم ملا ہے

اس پر عمل کیجئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ کوشش تو میری ہوگی مگر صبر چاہنا اس کا ہے۔ اگر یہ نبی کی زبان ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔

حضور ختمی مرتبتؐ نے ارشاد فرمایا: صبر کی دو قسمیں ہیں، دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ صبر کرے اس چیز پر جو تجھے پسند نہ ہو، بات تکلیف دہ ہو اور وہ بات سامنے آئے تو صبر کرے، دوسری یہ کہ کوئی چیز جسے تو بہت پسند کرتا ہے نہ ملے تو ملنے پر صبر کرے فرمایا: یاد رکھو صابر کے لئے ظفر لازمی ہے۔ صابر کی فتح اور کامیابی لازم ہے اگرچہ زمانہ طول کھینچ جائے۔ زمانہ طولانی ہو جائے مگر جب بھی صابر کا ذکر آئے گا ظفر اور فتح کے لئے ہوگا، نصرت و کامیابی کے ساتھ ہوگا۔ اس کی نصرت و کامرانی ہمیشہ خود اس کے صبر میں رہے گی۔ فرمایا "یاد رکھو مردانہ وار صبر کرنا سیکھو ورنہ گزرتا ہوا زمانہ خود مصیبتوں کو بھلا دیتا ہے۔ جب بھولنا ہی ہے مصیبت کو تو ایک حق کیوں نہیں پیدا کرتے صبر کرکے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں معصوم صبر کو سمجھانا چاہتا ہے۔ صبر کی تعریف فرما رہا ہے کہ صبر جوہر انسان ہے۔ قرآن مجید میں عجیب مقامات پر صبر کا ذکر آیا ہے۔ سورۂ بقرہ سے سلسل صبر کی آیتیں شروع ہوتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے "اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (سورہ بقرہ ۱۵۳) مدد طلب کرو صبر سے اور صلوٰۃ سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" مَعَ الْمُصَلِّيْن" نہیں کہا۔ عجیب منزل ہے معنی یہ نہیں کہ صلوٰۃ کا درجہ کچھ کم ہے۔ نہیں آغاز صلوٰۃ صبر ہے۔ قیام صلوٰۃ صبر کے بغیر نماز کو قائم نہیں کر سکتا مگر صابر۔

اب جو کوئی کسی کے لئے کہے اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ (زیارت ناحیہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے نماز کو قائم کیا۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تو صابر تھا۔ تجھ سے بڑھ کر صابر نہیں ہو سکتا، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اللہ صابرین کے ساتھ

ہے۔ اس کی معیت قیومیہ یوں تو ساری کائنات کے ساتھ ہے مگر یہ کہنا کہ ہم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں اس کے معنی ہی یہ تھے کہ اس کی مخالفت میں قیام کرے گا جو صبر کی مخالفت میں اعلانِ جدال کرے گا ہم اسے پسند نہیں کریں گے ہم اسے محبوب نہیں رکھیں گے، ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ ہمارا بندہ توہین اٹھائے ذلت پائے، ہمارا بندہ نگاہ خلق میں سبک قرار دیا جائے، ہم ساتھ ہیں صبر کرنے والوں کے، ہماری قیومت ساتھ ہے۔ ممکن ہے تو شہید ہو جائے مگر جب تک ہم چاہیں گے تیرا نام رہے گا۔ اور فوراً کہا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (سورہ بقرع ۱۵۴) اور خبردار یہ نہ کہنا کہ مردگانِ راہِ خدا کشتگانِ راہِ خدا مردہ ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تم کو شعور نہیں ہے "تم نہیں جانتے ہو اور یہ طے ہو چکا ہے کہ ہم امتحان لیں گے، ہم بغیر امتحان کے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے کسی کو بھی بغیر امتحان کے نہیں چھوڑا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (سورہ بقرہ ۱۵۵) ہم امتحان لیں گے۔ خوف سے بھوک سے، اموال اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے، ہم امتحان کی منزل پر جب پہنچا دیں گے تو خوش خبری سنا دو صبر کرنے والوں کو کہ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۗ (سورہ بقرع ۱۵۶) جو مصیبت پڑنے کے وقت کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں" جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو ان کو دو باتوں کا احساس ہوگا، ایک یہ امر کہ میں کسی اور کی ملکیت میں ہوں، صابر کا یہ احساس ہوتا ہے کہ مجھے یہاں رہنا نہیں ہے پہلے احساس کے لئے کہا إِنَّا لِلَّهِ، ملکیت اس کی ہے اور چونکہ رہنا نہیں ہے، اس لئے کہا وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ یہ دو

منزل ہے جہاں صابروں کو بشارت ہو اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ "(سورہ بقر ۱۵۷) انہی پر صلواۃ انہی پر درود ان کے رب کی طرف سے اور رحمتوں کا نزول ہمیشہ ہوتا رہتا ہے" اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں تو آپ نے دیکھا کہ ان کا مقام صبر یہ ہے کہ معیت خداوندی سے صابر متاز ہیں۔

صبر شانِ نبوت ہے اولوالعزم انبیاء کی فضیلت صبر ہے۔ اور آگے بڑھیے وَجَعَلۡنَا مِنۡہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ (سورہ سجدہ ۲۴) "ہم نے ان کو امام بنایا ہے تاکہ وہ ہدایت کریں اس لئے کہ وہ صابر تھے" تو صبر نبوت کے لئے بھی لازم ہے، صبر امامت کے لئے بھی لازم ہے، صبر نہیں تو نہ نبوت ہے، صبر نہیں تو نہ امامت ثابت ہے، مقام نبوت و امامت کے لئے ضرورت ہے صبر کی۔ اور اس لئے راہِ حق میں قیام کرنے والا حق کا اعلان کرے کہ ہر مصیبت کو جھیلوں گا اعلان کو واپس نہیں لوں گا۔ قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے جو کہہ رہا ہوں یہی کہوں گا، مر جاؤں گا، یہی کہوں گا، یہ ہے منزل صبر!

یہی نہیں کہ انسان چپ ہو جائے، یہی نہیں کہ خاموشی اختیار کرے، یہ صبر کی ایک صورت ہو گی۔ مگر نہیں جب راہ کو طے کیا اور سوچ سمجھ کر طے کیا اور کہا نہیں امت کے لئے، ملت کے لئے یہی راہ مناسب ہے تو اس راہ پر رک جانا، اڑ جانا صبر ہے۔ غور سے سمجھ لیجئے کہ جنگ میں بھی صبر ہے صلح میں بھی صبر ہے، صلح حدیبیہ پر مسلسل اعتراضات ہو رہے تھے کیا آپ نے ؟ آج ہم قوی ہیں مگر صابر تھے، حضور وہ نبوت کا صبر تھا۔ صلح حسنؑ پر ہزاروں اعتراضات ہو رہے تھے۔ مگر حسنؑ نے راہ متعین کر دی تھی کہ اس راہ سے جاتا ہے کربلا کو۔ دنیا جو چاہے کہے مگر اس قافلہ کو اس راہ سے ہی کربلا جانا ہے۔ یہ امامت کا صبر ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا جانتی ہے صابر حسینؑ محمدؐ کے نواسے کو، وہ جس نے اپنے صبر کی طاقت سے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ ہم نہ اپنے قول کو بدلتے ہیں نہ اپنے کلام میں تغیر پیدا کرتے ہیں۔ نہ اپنے ثباتِ قدم میں لغزش کو آنے دیتے ہیں، یہ کہہ دیا کہ اطاعتِ رسولؐ کا قلادہ گلے میں ہے۔ اب کسی کی بیعت ممکن نہیں۔ رسولؐ زندہ ہے اس کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اب کسی اور کا کلمہ کیا پڑھا جائے گا، انکار کر دیا انکار پر اڑے رہے اور اس قیام کا نتیجہ کربلا ہے اور اس قیام کا نتیجہ شہادتِ حسینؑ ہے۔

اس معرکے میں اس صبر کے مظاہرے نے یہ بتلا دیا فرزندِ رسولؐ کا جب نام آئے گا تو صابرین کی فہرست میں کسی ایسی منزل پر آئے گا، جہاں آدابِ بندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ اگر ختمیؐ مرتبت کا نام آرہا ہے صابرین میں آپؐ نے فرمایا کہ "جو تکلیف مجھے دی گئی وہ تکلیف کسی نبیؐ کو نہیں دی گئی"، تو پھر اس کا یقین رکھیے کہ ختمیؐ مرتبت کے ساتھ ساتھ حسینؑ کا بھی نام آئے گا۔

میرے پاس استدلال ہے، علمائے اسلام نے لکھا کہ نواسے کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ عینیت کی منزل پر ہے: "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔" تو اس عینیت کی منزل پر صبرِ رسولؐ صبرِ حسینؑ ہے۔ میں اور آگے بڑھوں نہیں صبرِ حسینؑ اسی لئے ہے کہ تقاضائے رسالتؐ یہی ہے، دنیا سے جاتے ہوئے کہا بیٹا میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ تیرے سر کو تحفتاً یزید کے پاس لے جا رہے ہیں، حسینؑ صبر کرنا، فاطمہ کے لال نے صبر کیا، اولین و آخرین میں کسی نے اِس طرح صبر نہیں کیا۔ محمدؐ کے نواسوں کو ہی اس کا حق پہنچتا تھا کہ وہ صبر کریں اور بقائے اسلام کی فکر اعلائے کلمۂ حق کا اہتمام کریں۔

صبر کی تین منازل ہیں۔ معارف احوال اور افعال میں معارف کی شکل یہ ہے،

کہ اصول احوال کی صورت یہ کہ اصول پر یقین افعال عمل کی منزل میں یعنی معارف شجرہ احوال ڈالیاں، افعال اس کے پھل، صبر کا عالم یہ ہے کہ معارف کی منزل پر اصول سے پٹا ہوا ہے۔ احوال کی منزل پر یقین سے پٹا ہوا۔ اور افعال کی منزل پر عمل کر کے دکھلا رہا ہے کہ دیکھو یہ تیغ یوں ہوتے ہیں میر تقی میرؔ نے کہا

زیرِ شمشیرِ ستم میرؔ تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

حضرت موسیٰؑ اولوالعزم پیغمبر ہیں انھوں نے خضرؑ سے پوچھا آپ مجھے تعلیم دیں گے۔ خضرؑ نے جواب دیا اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا (سورہ کہف ع ۶۷)، تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ نبی اولوالعزمؑ نے کہا "کیوں میں صبر نہ کر سکوں گا" خضرؑ نے جواب دیا "کَیۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ خُبۡرًا (سورہ کہف ع ۶۸) وہ صبر کیا کرے گا جس کو علم نہ ہو، جس کو عواقب و انجام کا علم نہ ہو، وہ صبر کیا کرے گا۔ صبر کامل ہوتا جاتا ہے علم کے کمال کے ساتھ حسینؑ نے محمدؐ کی زبان چوس کر پرورش پائی، اس لیے حسینؑ جان رہے تھے کہ انجام شہادت کیا ہے۔

اس شہادت کا ماحصل کیا ہے، اس شہادت کا اثر تاریخ پر کیا پڑے گا۔ آنے والے مسلمانوں پر کیا پڑے گا، قیامت تک یہ شہادت کس طرح محفوظ رہے گی ذکر، فکر اور شعور کے اعتبار سے بہرحال جو حسینؑ نے سوچا وہی ہوا۔ یہ صابر کا علم تھا۔ آخری منزل یہ ہے کہ صبر آغاز اور صبر انجام، بہنوں سے رخصت ہو کر، بیٹوں سے رخصت ہو کر چلے تو صبر اور شکیبائی کی وصیت کر کے چلے وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ بہن صبر کرنا، عابدؑ بیمار صبر کرنا، عصر کا ہنگام قریب آ گیا۔ وَالۡعَصۡرِ عصر کی قسم، اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ انسان خسارے میں ہے اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ مگر صاحبان ایمان اور عمل صالح کرنے والے اور حق اور صبر کی وصیت

کرتے رہے وہ خسارے میں نہیں ہیں۔

یہ تھا حسینؑ کا عملِ صالح، آخری سجدہ کیا نینوا کی سرزمین پر ذات واجب کی بارگاہ میں۔ یہ منزل ہے دیکھا آپ نے۔ پہلے صبر پھر صلوٰۃ۔ صابر نے سجدہ کیا تو سر رکھتے ہی آواز دی "یا غیاث المستغیثین" تیرے امتحان میں صابر ہوں۔ تیری مشیت کو تسلیم کر رہا ہوں۔ تیرے حکم کو مان رہا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے، حسین تیری بارگاہ میں آ رہا ہے۔ تاریخ یہ کہتی ہے کہ آخری سجدے میں یہ آخری الفاظ ادا کئے۔ محرم کی دسویں ۶۱ھ ہے، عصر کا وقت ہے آفتاب ڈوبنے کے قریب ہے ایسے میں معلوم ہوا کہ زمین لرزتی چلی گئی، کائنات میں تہلکا پڑا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہوائیں تند ہوگئیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اندھیرا چھا گیا۔

گھبرا کر علیؑ کی بیٹی نے عابدؑ بیمار سے کہا کہ بیٹا! یہ کیا ہو رہا ہے۔ جواب دیا پھوپھی اماں ذرا میرا ہاتھ تھام کر مجھے خیمے کے در تک لے جائیے۔ پہنچایا، پردہ اٹھایا۔ عابدؑ بیمار نے سر بلند کر کے کہا بابا عابدؑ بیمار کا سلام ہو۔ مظلوم نے، بیمار نے صابر نے صابر کو سلام کیا۔ قیامت کی شام ہے، شام غریباں اردو ادب میں لفظ عام ہے۔ مگر جہاں جا کر اطلاق انطباق پایا گیا وہ نینوا کی زمین تھی۔ کربلا کی سرزمین پر دنیا نے دیکھ لیا کہ حقیقت میں صبر کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

اور اب یہ آخری منزل ہے۔ صبر اور اس گھرانے کا صبر۔ ہاں وارث۔ قتل ہو گئے، ہاں خیمے جل چکے، بچوں نے طمانچے کھائے، سیدانیاں لٹ چکیں، مگر اب صبر کا کمال دیکھو کہ کسی نے آ کر شہزادی زینبؑ سے کہا بی بی یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ سرداران لشکر وقبائل اپنے اپنے لشکر وقبائل کے سرداروں کی لاشوں کو ہٹا لیں اس

ہے کہ ایک غریب کی لاش گھوڑوں سے پامال ہونے والی ہے۔
ایک ایک کا لاشہ اٹھایا گیا، حرؑ کے قبیلے کے لوگ بھی تلواریں لہراتے ہوئے اور یہ کہتے چلے کہ جس کے وارث زندہ ہوتے ہیں وہ یوں لاشے اٹھاتے ہیں۔ اب ایسے میں زینبؑ کے صبر کا اندازہ کرو، عابدؑ بیمار کے صبر کا اندازہ کرو کہ بچوں سے کہتے جاتے تھے کہ گھبرانا نہیں۔

رِزق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سورۃ حج آیت ۵۸)

سورۃ حج میں ارشاد باری ہے کہ وہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں، سبیل الہٰی میں انھوں نے ہجرت کی اور پھر قتل کر دیئے گئے۔ اَوْ مَاتُوْا یا مر گئے، ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا تو وعدہ یہ ہے کہ خدا ان کو رزقِ حسن عطا کرتا ہے۔ اور پھر اس شان سے وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ذاتِ واجب تو بہترین رزق دینے والی ذات ہے مسئلہ چونکہ ہماری آپ کی اور مخلوقاتِ عالم کی زندگی سے وابستہ ہے اس لئے التفات کے قابل ہے مسئلہ رزق۔ ذاتِ واجب نے اپنے آپ کو خَیْرُ الرّٰزِقِیْن کہا ہے اور پھر ارشاد فرمایا میں رزاقِ متین ہوں۔ دیتا ہوں سب کو اور پھر سب بگڑتے ہیں۔

سورۂ ھود میں ارشاد ہوا۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورۃ ھود ع ۶) زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں ہے مگر ایں کہ اس کے رزق کی ضمانت ہم نے لی ہے۔

اور سورۃ عنکبوت میں ارشاد ہوا۔ وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا (سورۃ عنکبوت۔ ۶۰) کتنے ہیں زمین پر حرکت کرنے والے کہ جو اپنا رزق اپنے کاندھوں پر لئے ہوئے نہیں پھرتے بلکہ ہم ان کو رزق عطا کرتے ہیں وہ اپنے کاندھے پر اپنا رزق لئے ہوئے نہیں پھرتے۔

تو ایسی صورت میں اعطائے رزق جسکی ذمہ داری ذاتِ واجب نے لی ہے کبھی کبھی جب دعوتِ فکر دے تو آپ کو یہ غور کرنا پڑتا ہے کہ پوری نوعِ انسانی نفسِ واحد ہے، روئے زمین پر کہیں انسان رہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (سورہ لقمان آیت ۲۸) تمہاری خلقت اور تمہاری بعثت تمہارا پیدا ہونا، تمہارا اٹھایا جانا نفسِ واحد کی طرح سے ہے۔ تو جب تم کو پیدا کیا اور زمین میں جگہ دی، زمین میں تمہارے رزق کا انتظام کر دیا۔ اب ساری زمین پر جتنے بھی بندے جی رہے ہیں، جتنی بھی مخلوق پل رہی ہے۔ زمین میں اتنی صلاحیت ہے، زمین میں اتنی استعداد ہے اتنی قابلیت ہے کہ ان سب جینے والوں کے لئے وہ سامانِ رزق فراہم کرے۔ زمین کو اس قابل بنایا لیکن اگر زمین پر عارضی نظم و نسق رکھنے والے اور زمین پر انسانی حکومت کے مختلف مظاہر اپنے آپ کو تجارت کے انداز میں اور قیمتوں کے اترنے اور چڑھنے کی صورت میں غور و فکر کرتے ہوئے کسی جگہ غلہ کی فراوانی کو دیکھ کر لاکھوں ڈالر صرف اس لئے خرچ کریں کہ فاضل غلہ جلا دیا جائے۔ یا فاضل غذا جلا دی جائے تو ایسے میں اللہ پر تو کوئی الزام نہیں آتا۔ آپ اپنے ہاتھوں رزق تباہ کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ کتنے کروڑ ڈالر خرچ کئے جا رہے ہیں کہ غلے کو تباہ کرو، فاضل رزق کو تباہ کرو اس لئے کہ کہیں بازار بگڑ نہ جائے۔ کہیں قیمت پر اثر نہ آئے تو اس طرح سے بندے اپنے ہاتھوں سے عطا کیا ہوا رزق تباہ کریں تو یہ اس کی رزاقیت پر تو الزام نہیں لگا سکتے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اگر وہ رزاق

ہے تو بندے بھوکے کیوں مرتے ہیں اس کی وجہ یہ بندے بھوکے مرتے ہیں ہمارا
نظمِ رزق کی وجہ سے، تو ذاتِ واجب پر آنِ واحد کے لئے بھی شائبۂ الزام نہیں آسکتا
کہ اس نے اپنے بندوں کو بھوکا رکھا، صرف یہی نہیں کہ اس نے صرف معدہ کے لئے
رزق بنایا۔ اس نے جس چیز کو خلق کیا اس کے لئے رزق بنایا۔ دماغ بنایا تو
دماغ کے لئے رزق الگ ہے۔ آنکھیں بنائیں تو آنکھوں کے لئے رزق الگ
ہے۔ کان بنائے تو کانوں کے لئے رزق الگ ہے، ناک بنائی تو ناک کے لئے
رزق الگ ہے۔ لمس پیدا کیا قوتِ لامسہ کا رزق الگ ہے۔ آگے بڑھ کے
عقل دی تو رزقِ عقل کچھ اور ہے۔ وہ رزاقِ متین ہے۔ وہ جس چیز کو پیدا کرتا
ہے اس چیز کو بغیر رزق کے نہیں رکھتا۔ اچھا منظر آنکھوں کے لئے رزق ہے
اچھی آواز کانوں کے لئے رزق ہے، اچھا ذائقہ زبان کے لئے رزق ہے، حکمت
کی باتیں عقل کے لئے رزق ہیں۔ اور اس طرح سے ذاتِ واجب نے کسی کو
بغیر رزق نہیں رکھا۔

وہ خیر الرازقین ہے۔ بہترین رزق دینے والا ہے، اور پھر رحمٰن ہے موسیٰؑ
کو بھی رزق دیتا ہے، فرعون کو بھی رزق دیتا ہے، رحمان ہے، ابراہیمؑ کو بھی
رزق دیتا ہے نمرود کو بھی رزق دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنے بندے کو رزق دے
اور جو اس سے سرتابی کرے اس کا رزق بند کر دے یہ رحمانیت کا تقاضا نہیں
ہے۔ اس نے طے کر لیا کہ جب تک جیو گے میں رزق دوں گا۔ اس لئے رزق کی
شکایت نہ کرنا سب سے بڑی انسان کی ناشکری یہ ہے کہ وہ ذاتِ واجب پر
یہ الزام لگائے کہ وہ رازق ہوتے ہوئے اپنے بندوں کو بھوکا مارتا ہے۔ بندے اگر
بھوکے رہتے ہیں تو ہمارا اپنا بنایا ہوا نظمِ رزق کا ایک راستہ ہے کہ جہاں جا کر
بہت سے انسان صحیح معنی میں وہ رزق نہیں پاتے جو ان کو ملنا چاہئے، دینے والا تو

سب کو دے رہا ہے۔

اس منزل پر آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ (سورہ نحل آیت ۷۱) "بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے" یہ بھی نہ سمجھنا کہ سب کے لئے طے کر دیا ہے کہ سب کو ایک ہی طرح سے رزق دیں گے۔ نہیں بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دے دی ہے۔ دیکھئے اب اس شبہ کو بھی نکال دیجئے کہ وہ کسی کو زیادہ رزق دیتا ہے کسی کو کم رزق دیتا ہے، ظرف کو دیکھتا ہے صلاحیت کو دیکھتا ہے استعداد کو دیکھتا ہے۔ قوتِ تحمل کو دیکھتا ہے، استعمال کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور پھر رزق عطا کرتا ہے۔ ہم نے کسی کو زیادہ رزق دیا کسی کو کم رزق دیا۔ مگر حکم یہ ہے۔ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (سورہ نحل آیت ۷۱) جن کو زیادہ رزق دیا گیا ہے وہ دوسروں پر اس رزق کو تقسیم کیوں نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر جو ان کے دست نگر ہیں۔ انکار نہیں فرمایا کہ ہم نے رزق نہیں دیا۔ بلکہ یہ کہا، درجات ہیں جیسے عقل کے درجات ہیں، اسی طرح اعطائے رزق کے درجات ہیں۔ اعطائے رزق کے درجات کی وجہ سے ذاتِ واجب پر کوئی تہمت نہیں لگائی جا سکتی جس کو جس قابل پاتا ہے اتنا رزق دیتا ہے۔ ہم نے تم کو رزق دیا۔ تم نے فضیلت پائی مگر رزق کے استعمال میں تو سب برابر ہیں نہ، تو ایسی منزل پر ایک اور مسئلہ کو قرآن نے حل کر دیا۔ ہم بہت سے لوگوں کے رزق میں اضافہ کر دیتے ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ جو ان کے دستِ نگر ہوں وہ ان تک تو رزق پہنچا دیں۔ اس لئے کہ واسطہ بنایا ہے، ہم نے ان کو ذریعہ بنایا ہے کہ ہمارے فیض کے لئے ایک راستہ بن کر رہیں۔ ہمارے کرم کے لئے ایک راستہ بن کر رہیں۔

یہ مدارجِ رزق ہیں اس کے بعد ارشاد ہوا، بڑی وضاحت کے ساتھ

دیکھو ایک مثال ہے اس مثال کو نہ بھولو ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ
عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ (سورۂ
نحل آیت ۷۵) اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے، وہ کسی بات پر قادر ہی نہیں
ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے رزقِ حسن دیا ہے، تو اس
کا عالم یہ ہے کہ وہ کبھی اعلانیہ دیتا ہے کبھی چھپا کر دیتا ہے۔ کبھی رات کی تاریکی میں
دیتا ہے کبھی دن کی روشنی میں دیتا ہے۔ جس کو ہم نے رزقِ حسن دیا وہ کبھی رزقِ
حسن کو روکتا نہیں ہے، وہ مملوک ہے، وہ غلام ہے، وہ رزق کو روک رکھتا
ہے، وہ غلام ہے، آزاد اور غلام کی مثال آپ نے سنی۔ آزاد وہ کہ دے تو تقسیم کرے
غلام وہ کہ دے تو روک رکھے۔

اس منزل پر عنوان کی آیت پر پھر واپس جائیں وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا (سورہ حج آیت ۵۸) وہ جو اللہ کی راہ
میں ہجرت کرتے ہیں، مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو وعدہ یہ ہے کہ خدا ان کو رزقِ حسن
دیتا ہے۔ تو وہ غلام نہیں ہیں، وہ مملوک نہیں ہیں وہ فکر آزاد رکھتے ہیں، ان کی
موت ان کے لیے تقسیمِ رزق میں مانع نہیں ہے۔ خدا ان کو رزقِ حسن دیتا ہے،
اگر وہ قتل ہو جائیں یا مر جائیں، دیکھیے رزق کا تصور تو جینے کے ساتھ ہے نہ زندگی
کے ساتھ ہے۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے مرنے کے بعد رزق دیتے ہیں، مرنے
کے بعد بھی رزقِ حسن دیئے جا رہے ہیں۔ تو وہ غلام نہیں ہیں، وہ مملوک
نہیں ہیں۔ جب مرنے کے بعد رزق دیتے ہیں تو وہ اور رزق تقسیم کر رہا ہوگا
بڑی اہم فکر پیش کر رہا ہوں، جس کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ راہِ خدا میں ہجرت
کرکے آیا ہے، تو مکان سے مکان کی طرف ہجرت نہیں بلکہ عاداتِ قبیحہ کو چھوڑ کر خصائلِ
حسنہ کی طرف آ رہا ہے، ظلمات کو چھوڑ کر نور کی طرف آ رہا ہے، بدی کو چھوڑ کر نیکی

کی طرف آرہا ہے۔ اگرچہ اپنے مقام پر بیٹھا ہی ہو مگر بہا جرہے، اس لیے کہ حرکت مسلسل ہے، سیر مسلسل ہے۔ سیرِ عقلانی ہے۔ ظلمت سے ہٹ رہا ہے نور کی طرف آرہا ہے، باطل سے ہٹ رہا ہے، حق کی طرف آرہا ہے، غیرِحق سے ہٹ رہا ہے حق کی طرف جارہا ہے۔ ایسے مقام پر مہاجر ہے اور اس عالم میں قتل ہوجائے یا مرجائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن نے مارا اور اگر مرگیا تو کسی کی محبت میں مرگیا۔

اب دیکھئے ہم اس کو رزقِ حسن دیتے ہیں، یعنی اب ایسے قتل ہونے والوں کو یا ایسے مرنے والوں کو مردہ نہ سمجھنا کی دلیل دی ہے اور جس کو ہم رزقِ حسن دیتے ہیں وہ رزق کو روکے نہیں رکھتا، وہ کبھی چھپا کر دیتا ہے کبھی اعلان کرکے دیتا ہے تو دینے کے لئے فقط حیاتِ دنیا کی ہی ضرورت نہیں، سانس کے چلنے کی ضرورت نہیں، جسم کے متحرک ہونے کی ضرورت نہیں قتل ہونے کے بعد بھی رزق بانٹ سکتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی رزق بانٹ سکتا ہے اب آپ نے دیکھا اس منزلِ رزق پر پہنچ کر چند باتیں واضح ہوگئیں سب سے پہلے یہ کہ کائنات کے ذرّے ذرّے کے لئے اس کا اپنا رزق ہے۔ رزق دینے والا رزاقِ متین ہے۔ اس نے ہر شے کو اس کی استعداد کے مطابق رزق دیا ہے تو اسی طرح سے ہجرت کرنے والے کو بھی رزق دیتا ہے، تو وہ رزق پانے والا رزق کو روکتا نہیں، دیئے جارہا ہے کبھی چھپا کر دے رہا ہے کبھی اعلان کرکے دے رہا ہے۔

اب اس منزل پر ایک مرتبہ واپس آکر ایک اور آیت کو دیکھیں۔ یہ آیت آلِ عمران کی ہے آخر وہ رزق دیتا کس کو ہے، وہ رزق دیتا کس کو ہے، ارشاد ہوا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (آل عمران ۱۶۹-۱۷۰) اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو مُردہ نہ کہنا، گمان بھی نہ کرنا، ترجمہ صحیح یہ ہے کہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مُردہ ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں، اور زندگی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ کشتگان راہِ خدا، خوش ہیں کہ خدا کے فضل سے اللہ نے ان کو یہ دیا ہے۔ یہ منزلت عطا کی ہے۔ ان کو فرحت ہے اور بشارت طلب ہیں کہ میرے بعد آنے والوں کو نہ خوف رہے گا نہ حزن رہے گا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ کون سی منزل ہے کہ راہِ خدا میں قتل ہونے والا رزق پا رہا ہے خوش اس لئے ہے کہ اللہ کا فضل یوں شاملِ حال ہے، بشارت طلب اس لئے ہے کہ بعد میں آنے والوں کو ڈر نہیں رہا۔

اب جس کو جہاں ضرورت پڑے نام لے شہید کا۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے عقیدے کی۔ ہر شخص یہ کہتا ہے ہم حسینؑ کے نقشِ قدم پہ چلیں گے، عقیدے کی قید نہیں ہے وہاں رزق بٹ رہا ہے۔ سخی کی بارگاہ ہے، جب تک جسم عنصری مادّی میں ان کی روح حرکت کر رہی تھی اس وقت بھی سخی تھے۔ روٹیاں اٹھا اٹھا کے دے دیتے تھے۔ اور صل اتیٰ کو لے لیتے تھے۔

مرنے کے بعد بھی رزق رکا نہیں ہے۔ شہیدوں نے رزق دیا، شعور کو رزق دیا، عقل کو رزق دیا، فکر کو رزق دیا، اور آگے بڑھے پھر فکر کو رزق دیا۔ سخن کو رزق دیا، فہم انسانی کو رزق دیا، تمدن کو رزق دیا، تہذیب کو رزق دیا، یہ شہیدوں کا رزق ہے جس میں ہم پل رہے ہیں، وہ مسلسل عطا کئے جا رہے ہیں۔

ہر منزل پر اکتساب کرنے والے پر استعداد رکھنے والے نے حسبِ حوصلہ شہید سے رزق لیا۔ آلِ عمران کی آیت آپ سن چکے گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں بلکہ

وہ زندہ ہیں۔ اللہ کی نگاہ میں زندگی اور موت کا وہ مفہوم نہیں ہے۔ جو آپ کی اور ہماری نگاہ میں ہے کہ سانس چلے تو زندہ ہیں، ہم حرکت کریں تو زندہ ہیں، قرآن کی نظر میں تو موت اور حیات کا تصور ہی اور ہے۔ سورۃ جاثیہ کی آیت ہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ (سورۃ جاثیہ ۲۱) کیا بدکاری کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ایمان داروں کی فہرست میں لاکھڑا کریں گے۔ ان کا مرنا جینا ہمارے نزدیک یکساں ہے، خدا کی نظر میں ان کی حیات و موت دونوں برابر ہے۔ تو بدکاری کی زندگی قرآن کے نزدیک موت ہے یعنی چلتی پھرتی میتیں ہیں، حرکت کرتے ہوئے جنازے ہیں مگر قرآن جس کو زندگی کہتا ہے وہ زندگی وہ ہے کہ جہاں ایمان اور عملِ صالح کے بعد انسان عزمِ ہجرت کرے ظلمت سے نور کی طرف آئے، اب قتل ہو جائے یا مر جائے۔ ہم اس کو رزقِ حسن دیں گے۔ تو قتل ہو جانے والے کے لئے شہادت لازم، شہادت کی زندگی ثابت مگر مرنے والے کے لئے، تو مرنے والے کے لئے کہا "مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا" جو ان کی محبت میں مر جائے شہید مرتا ہے ـــــ محبت نے کیا کیا، مہاجر بنایا، گھر نہیں آپ نے چھوڑا، مکان نہیں بدلا آپ نے، محبت نے تجدیدِ ہستی کی کیفیت پیدا کی، آپ کی زندگی کو منقلب کر دیا۔ آپ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ پستیوں سے بلندیوں تک لے جانے والی محبت ہے۔ محبت نام ہے تجدیدِ ہستیِ مومن کا جہاں یہ محبت آئے تو وہاں بھی شہادت جہاں تہہ خنجر کر دی جائے وہاں بھی شہادت۔

رزق ملتا ہے ہر طرح سے رزق ملتا ہے تو اس طرح سے ہم اس رزق کو حاصل کر رہے ہیں۔ جب شہیدوں کی یاد مناتے ہیں تو خدا گواہ ہے یہ سمجھ کر

یاد نہیں سناتے کہ مر چکے ہیں شہیدوں کی زندگی اعطائے رزق کے لئے لازم ہے دنیا میں جن کو بھر پور رزق ملتا ہے، ہاتھوں کو اپنے روک لیتے ہیں اور دنیا کو فاقہ کشی پر مجبور کرتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا اور شہادت پانے والا وہ رزق کو روکتا نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے، ان سے رزق لو، عقل کے لئے مانگتے ہو رزق مانگو، نفس کے لئے مانگتے ہو رزق مانگو۔ شعور کے لئے مانگتے ہو رزق مانگو، ادب کے لئے رزق مانگتے ہو مانگو، اپنے جینے کے لئے بھی رزق مانگتے ہو تو مانگو، اس میں بدعت کی بات نہیں، حیات ثابت ہے۔ دینے والا وہ مالکِ کل، دینے والا خالقِ کل، دینے والا خیر الرازقین ہے، دینے والا رزاقِ حقیقی ہے اس نے راستے بنادیئے اور یہ بتایا جس ہاتھ میں رزق رک جائے گا چھین کر دوسرے کے ہاتھ میں دے دوں گا، خبردار روکو نہیں دیتے جاؤ، اس لئے کہ یہ کرم ہے کہ رزق مل رہا ہے۔

۱۳۹۰ھ کا محرم ہے ابھی تک رزق مل رہا ہے۔ اور قیامت تک ملتا رہے گا۔ یوں رزق پاتے ہیں، عقل کو رزق دیا، شعور کو رزق دیا۔ اور بتلایا کہ دیکھو اگر اپنے لئے راہیں ڈھونڈ سکتے ہو تو رزق لو، رزق دینے کے لئے تیار ہیں مگر قبل اس کے کہ یہ فکر ہو کہ ہم ان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں گے۔ ان کے آثار فدویت کو ڈھونڈتے ہوئے یا ان کے جذبات تکلیف کو دیکھتے ہوئے ہم بھی اسی منزل پر پہنچ کر اپنی قربانی اور فدویت کو پیش کریں گے تو اس سے پہلے ایک مرتبہ ضروری ہے کہ شہید کو کوئی پہچان تو لے کس منزل پر گفتگو جاری ہے، ارے شہید کو پہلے پہچانو پھر یہ کہو کہ ہم ان کے قدم بہ قدم چل رہے ہیں، کون ہے شہید؟ اسلام میں ایک ہی ذات عظمت کے قابل ہے اسلام میں ایک ہی روح ایمان ہے، اسلام میں ایک ہی روح کمال ہے، اسلام مکمل

ایک ہی قدسی صفات ہے اور وہ ذاتِ گرامی ہے احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انھیں کا کلمہ ہے، انھیں سے اذان ہے۔ انھیں سے تشہد ہے انھیں کے لئے سلام ہے، انھیں کے لئے درود ہے، وہی مظہرِ صفاتِ جلال و جمالِ الٰہی ہیں۔ سب کچھ وہی ہیں۔

انھوں نے اللہ کے پیغام کو آخری صورت دے کر یہ بتلایا کہ قیامت تک اسی پیغام کو رہنا ہے تو اب ایسی صورت میں نبیؐ یہ چاہتے تھے کہ اس کام کی تکمیل کے لئے میں کسی ایسے کو چن لوں اس کام کی تکمیل کے لئے فدویت اور قربانی کی منزل آئی تو نہ وہ اپنا خیال کرے۔ نہ بچوں کا خیال کرے، نہ گھر والوں کا خیال کرے، نہ ترکِ وطن کا خیال کرے، کسی کا خیال نہ کرے، اس لئے اپنی چہیتی بیٹی کے بیٹے کو پسند کر کے سینے سے لگا کر کہا حسینٌ مِنّی وَاَنَا مِنَ الحسینؑ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ یہ وہ منزل تھی کہ جہاں حسینؑ ابنِ علیؑ نے دیکھا کہ نانا کے مقصد کی تکمیل اسی میں ہے کہ گھر چھوٹے صحیح معنی میں ہجرت واقع ہو جائے۔ مدینہ چھوٹے مدینہ کا احترام بھی رہ جائے، مکہ آئیں اور مکہ کی عظمت بھی باقی رہ جائے۔ نہ یہاں لڑائی ہو، نہ وہاں لڑائی ہو دونوں جگہ کی لڑائی کو حسینؑ پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے نہیں پسند کرتے تھے کہ آگے چل کر کہیں تاریخ یہ نہ کہہ دے کہ قاتل کا پتہ نہیں چلا معلوم نہیں کس نے قتل کیا، معلوم نہیں حاجیوں کے لباس میں کون تھا، معلوم نہیں مدینے میں کون سی سازش تھی، اس لئے حسینؑ چاہتے تھے کہ اب جو لڑائی ہو کھلے میدان میں لڑائی ہو، تقسیم برابر کی ہو، اپنا پرایا معلوم ہو جائے، یگانہ بیگانہ پہچانا جائے۔ آنے والا کوئی آئے تو حرّ بن کے آئے۔

اور ایسے موقع پر محرم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ کا پہلا مہینہ حسینؑ ابنِ علیؑ

نے طے کر لیا کہ آج قربانی کی منزل ہے۔ اور اس قربانی کی منزل پر انبیاء و مرسلین کو بھی دیکھا اس قربانی کی منزل پر ہم نے دنیا کے بڑے بڑے عقل مندوں کو بھی دیکھا مگر اس شان سے اس منزل کو سر کرتے ہوئے کسی کو نہ پایا۔ ابراہیمؑ ایک منزل پر رک گئے، ذکریا ایک منزل پر رک گئے، موسیٰؑ ایک منزل پر رک گئے۔ مگر جو یہاں دیکھا ایک دن میں اتنی لاشیں اٹھائیں۔ ۵۷ برس کا سن ہے کبھی بھانجوں کی لاشیں لا رہے ہیں، کبھی بھتیجے کی لاش لا رہے ہیں آخر میں وہ منزل بھی آئی کہ اٹھارہ برس کے جوان بیٹے کی لاش اٹھائی۔ اور یہ کہہ کر اٹھائی "علی الدنیا بعدک العفا" علی اکبر تیرے بعد تو جینے پر خاک ہے۔ اب جو فرصت ملی تو بتیس ۳۲ برس کے بھائی کی لاش اٹھائی اور یہ کہے کر چلے، جاؤ، عباسؑ بیا ؤ اب ہماری کمر ٹوٹ گئی، جانے والے جا چکے اب تھوڑی دیر میں ہم بھی آرہے ہیں۔ یہی قضائے الٰہی ہے۔ یہ کہہ کر قتل گاہ میں آئے زخمی تو ہو چکے تھے۔ گھوڑے کی گردن میں دونوں ہاتھوں کو ڈال دیا اور کہنے لگے ذوالجناح آخری سواری ہے آہستہ آہستہ چل جگہ ہم خود پسند کر لیں گے، ایک مقام پر پہنچ کر جگہ کو پسند کیا اور بے اختیار زمین پر سجدہ باری میں گر پڑے اور آواز دی تیرے حکم پر راضی ہوں مالک میرے معبود میرے، تیرے امر کو مان رہا ہوں تیرے سوا میرا کوئی معبود نہیں ہے۔ اے پناہ نہ رکھنے والوں کو پناہ دینے والے اب میری مدد کر۔

حسینؑ زمین پر آئے ادھر خیمے کا پردہ الٹ کر بہن نکلی، یہ کہتی ہوئی چلی بھائی نظر نہیں آتا کربلا کے میدان میں شام ہو رہی ہے، بہن بھائی کو ڈھونڈ رہی ہے کہ ایسے میں ایک مرتبہ آواز آئی، جاؤ بہن واپس جاؤ، واپس جاؤ، جاؤ بہن واپس جاؤ۔ عابد بیمار کی حفاظت کرو، سکینہ کی حفاظت کرو، گھر والوں کی حفاظت کرو اب جو واپس آئیں دیکھا خیمے جل رہے ہیں تو گھبرا کر بچوں کو باہر لائیں، عابدؑ بیمار کا

سجادہ باہر لائیں سکینہ بی بی کو سنبھالا، اور ایسے عالم میں خیمے جل رہے تھے اور ادھر کربلا کے میدان میں شام ہو رہی تھی۔ ہائے رے زینبؑ کی پریشانی۔ ام کلثوم سے کہا بہن کل کی بات تھی رہا اسی خیمے کے اطراف عونؑ و محمدؑ بھی تھے، عباسؑ بھی تھے علی اکبر بھی تھے، قاسمؑ ابن حسنؑ بھی تھے، بہن آج کون ہے، چلو تم اور ہم مل کر آج بچوں کی حفاظت کریں یہ کہہ کے بچوں کو ریتی پہ بٹھا کر اطراف گھومنے لگیں تھوڑی دیر نہ گزری تھی ایک مرتبہ دیکھا کہ تاریکیٔ شب میں کسی کے آنے کی آواز آرہی ہے۔ گھبرا کے کہا ارے کون آرہا ہے، پتہ چلا کہ کوئی سوار آرہا ہے تیزی سے آرہا ہے، پکار کر کہا علیؑ کی بیٹی تجھ سے کہتی ہے رک جا میرے بچے ابھی سوئے ہیں ادھر نہ آ۔ مگر وہ سوار نہ رکنا تھا نہ رکا، علیؑ کی بیٹی کو جلال آیا، آگے بڑھ گئیں، گھوڑے کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور ایک مرتبہ گھوڑے کی لگام پہ ہاتھ ڈال دیا۔ تجھے دھیان نہیں آتا فاطمہؑ کی بیٹی تجھ سے کہتی ہے رک جا، سوار نے ایک مرتبہ نقاب کو الٹ کر کہا، زینبؑ علی آیا ہے، علی آیا ہے۔ حفاظت کے لئے سجاد و زینبؑ آرام کرو۔ آج علی حفاظت کرے گا۔

دُعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۶)

زندگی بجز بندگی کے اور کچھ نہیں ہے اور روحِ بندگی، عزتِ بندگی، سرمایۂ بندگی، مغزِ بندگی دُعا ہے۔ اسی لئے مناسب یہی تھا کہ بعنوان "دعا" کلامِ الٰہی سے استفادہ کیا جائے اور چند اہم امور اس آیۂ وافی ہدایہ کے ذیل میں جو سورۂ بقرہ کی آیت ہے آپ کی سماعت کے لئے ہدیہ بنے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اگر اور جب مجھ سے سوال کریں میرے بندے، میرے متعلق تو کہہ دینا میں نزدیک ہوں اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے، مجھے پکارتا ہے میں جواب دیتا ہوں فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ پس مجھے پکارو وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ میری باتوں پر یقین رکھو ایمان لاؤ۔ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ تاکہ تمہیں راہِ رشد ملے، تاکہ تم نیکی کی راہ پر بڑھو۔

دو ہزار تین سو یا تین ہزار دو سو سے زیادہ ہی ایسی آیتیں ہیں کہ جہاں علماء نے اختلاف کے ساتھ گنتی کی ہے آیتوں کی۔ ان آیتوں میں ایک ہی

آیت ہے جس میں سات مطالب پر گفتگو کی ہے، پہلے وہ سات مطالب آپ سمجھ لیں۔ پہلے سوال، کہ طریقۂ سوال کیا ہو، اِذَا سَأَلَكَ جب تجھ سے پوچھیں طلب کریں میرے متعلق معلوم کریں۔ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ میں قریب ہوں یعنی قربت طاعات، تیسری منزل اُجِیْبُ اجابتِ دعا، چوتھی منزل اِذَا دَعَانِ جب کوئی مجھے پکارے، جب کوئی مجھے دعائیں آواز دے یعنی شرط دعا فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ پس اچھا ہے مجھے پکاریں۔ مجھ سے مانگیں اور اس کے بعد وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ مجھ پر یقین رکھیں، ایمان لائیں۔ نتیجہ آخر میں ساتواں مطلب ہے رشاد۔ نیکی، ہدایت، رہ رشد یہ لازمی ہے۔ اس کے لئے جو مجھے آواز دے، جس کی آواز کو میں سنتا ہوں، اور اس کو میں جواب دیتا ہوں، لبیک کہتا ہوں۔

اب یہاں چند اہم عنوانات ہیں۔ یعنی "قربتِ الٰہی" ایک مستقل عنوان ہے "طلب وسوال" ایک مستقل عنوان ہے۔ "اجابتِ دعا" ایک مستقل عنوان ہے، ایک مختصر سی آیت اتنے معنی پر محیط ہے اور اس کے بعد ایک عجیب بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف ایک ہی آیت ہے جس میں سات مرتبہ ضمیر متکلم کو استعمال کیا ہے میں، میں، میں، اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ جب میرے بندے عَنِّیْ میرے متعلق اُجِیْبُ میں جواب دوں گا۔ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب مجھے آواز دیں فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ پس یہ لوگ مجھے پکاریں وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ پس مجھ پر یقین کریں تاکہ رہ رشد پر آئیں۔

اب اس منزل پر ہم اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ تجلیہ جس کو من ہے دعا، اجابِ حیات ہے دعا، راز بندگی ہے دعا، شرافت انسان ہے دعا بشرطیکہ کوئی آواز دے، ورنہ کائنات کا ذرہ ذرہ تو اپنی احتیاج کی وجہ

سے خود بارگاہِ صمدیت میں بدست دعا ہے۔ مگر چونکہ عقل نہیں ہے اس لئے اس کو دعا نہیں کہتے۔ ورنہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی بارگاہ میں بجز طلب کے اور کچھ نہیں ہے۔ اپنی حیات کی بھیک مانگ رہا ہے ایک ایک ذرہ اور اسی منزل پر یہ بھی ارشاد ہوا کہ ایسا نہیں کہ کافر ہے اور نہ مانگے، مشرک ہے اور نہ مانگے۔ نہیں وہ بھی مانگ رہے ہیں فقط یہی کہ زبان سے میرے وجود کا انکار کر رہے ہیں۔ مگر ان کی رگِ حیات مانگ رہی ہے۔ ان کے نفوس مانگ رہے ہیں۔ ان کے خون کے اچھلتے ہوئے ذرات مانگ رہے ہیں ان کے آلاتِ تنفس مانگ رہے ہیں اور میں دے رہا ہوں۔

ارشاد ہوا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (سورہ بنی اسرائیل ۱۸، ۱۹)

جو تیز ملنے والی دولت کو مانگے، ہم بھی جلدی سے کچھ دے دیتے ہیں، مگر عاقبت میں اس کا انجام اچھا نہیں ہے، اس لئے کہ نفعِ حاضر کو مانگا ہے، اور جو آخرت کا ارادہ کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے لئے اور مومن ہو، اگر وہ مومن ہے یہی وہ منزل ہے جن کی سعی کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ بندے کوشش کرنے والے ہیں، ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں، ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں تیرے رب کی عطائیں کسی کی نہیں ہے قید نہیں ہے فرعون بھی مانگے تو دینگے، موسیٰ مانگیں تو دینگے، نمرود مانگے تو دیں گے ابراہیم مانگیں تو دینگے فرق اتنا ہے کہ فرعون لسانِ استعداد سے مانگ رہا ہے موسیٰ زبانِ بندگی سے مانگ رہے ہیں، نمرود لسانِ استعداد سے مانگ رہا ہے اپنی صلاحیتوں سے مانگ رہا ہے اسکا جسم مانگ رہا ہے اسکے لہو کے ذرے مانگ رہے ہیں اسکی ہڈیوں کے ٹکڑے مانگ رہے ہیں اسکی زندگی جو ہم نے اسکو عطا کی ہے ہماری عنایت کا تقاضہ ہے کہ جیئے مانگے تو دینگے زبان سے انکار

کو رہا ہے محروم نہیں کریں گے۔ مگر وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ اور جب میری عبدیت میں کوئی آجائے، جب میرا عبد بن کر کوئی آئے۔ مجھ سے میرا پتہ پوچھے، مجھ سے میرے متعلق پوچھے تو پہلی منزل اِنِّیْ قَرِیْبٌ تو کہہ دینا میں قریب ہوں دور نہیں ہوں اب آہستہ کہو، دل میں کہو، چھپا کر کہو، مانگو مگر مانگو، شرماؤ نہیں اُجِیْبُ ہمیشہ قبول کروں گا، مضارع کا صیغہ ہے استمرار اجابت، ہمیشہ قبول کروں گا اجیب دعوۃ الداع اذا دعان پکارنے والے کی آواز کو دعا کرنے والے کی دعا کو میں قبول کروں گا بس آواز دو مجھے۔

سورۃ مومن چالیسواں سورہ ہے قرآن کا، اس میں ارشاد ہوا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (سورہ مومن آیت ۶۰) مانگو تم، دعا کرو، مانگوں میں دعا قبول کرتا ہوں اس لئے کہ انبیاء کا طریقہ یہی تھا کہ وہ دعا کی منزل پر تھے تو ظاہر ہے، دعا شرافتِ انسان ہے۔ اگر یہ میری آواز ایک پیغام کی صورت اختیار کر رہی ہے تو الفاظِ معصوم یہ ہیں کہ قرآن میں چار مقام ایسے ہیں کہ جہاں دعا کرنے کی تربیت اس طرح سے کی کہ تم اس طرح سے کہو اور جیسے ہی وہ دعا ختم ہوگی ہم قبول کریں گے۔ پہلے ارشاد فرمایا کہ جیسے ہی بندہ کہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔ وہی ہمارے لئے کافی ہے، فوراً ہی اس کے بعد بے اختیار کہا فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (سورہ آل عمران آیت ۱۷۴) اللہ کی نعمت اور فضل نے اسے گھیر لیا، آیت کے بعد ہی وعدہ ہے آیت کے بعد ہی وعدہ ہے، دوسری آیت ارشاد ہوا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ انبیاء آیت ۸۷) آیت ختم نہیں ہوتی وعدہ ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ انبیاء۔ آیت ۸۸) ہم نے اس کی دعا کو قبول کرلیا ہم نے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم صاحبانِ ایمان کو

کی دعاؤں کو قبول کرتے رہتے ہیں اور اس کے بعد ایک عجیب آیت ہے کہ جہاں ارشاد ہوا ماشاءَ اللّٰہُ لا قوۃ الا باللہ (سورہ کہف آیت ۳۹) جس کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے ہم اس کی لذتوں کو بڑھا دیتے ہیں، نعمت ہائے دنیا میں اضافہ کر دیتے ہیں ڈبل حصے اس کو عطا کرتے ہیں۔ ان آیات کو کوئی نہ بھولے اور آخر میں ایک آیت ہے اور عجیب آیت ہے، حزقیلؑ نے یہ آیت تلاوت کی تھی۔ وہ آیت ہے اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (سورہ مومن ع ۴۴) میں اپنا کام اللہ کے حوالے کر رہا ہوں وہ بہتر جانتا ہے کہ بندے کیا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا جیسے ہی یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا ہم نے ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں ہمارے دوستوں میں سے اور امت محمدیہ میں سے جو کوئی ان چار دعاؤں کا ورد رکھے تو کبھی اس کی دعا رد نہیں ہوگی۔ یہ کلام مجید ہی کی آیتیں ہیں۔ ان کو دعائیں بنا کر کے پڑھا جاتا ہے۔

اللہ کے عزیز بندے، اللہ کے باخبر بندے، مزاجِ الٰہی کو جاننے والے بندے مشیت الٰہی سے آگاہ بندے چاہتے ہیں کہ دعا میں وہ کیف پیدا ہو کہ جہاں دعا زبان سے نکلے تو سننے والے تو خیر مگر مالک یہ کہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ (صافات ع ۱۶۰) تمہاری ہر تعریف سے اللہ بلند ہے مگر جب مخلص بندے میری تعریف کرتے ہیں تو مجھے پسند آتی ہے۔

آیئے ایک مخلص بندے نے دعا کی ہے: دعائے صباح اس کے صرف تین ٹکڑے پڑھ رہا ہوں۔ اِلٰہِیْ کَیْفَ تَطْرُدُ مِسْکِیْنًا اِلْتَجَاَ اِلَیْکَ مِن

۱؎ یہ دعا حزقیل مومنِ آل فرعون نے کی تھی۔ (دیکھیے قرآن مجید)

الذُّنُوبِ هَارِبًا اَمْ كَيْفَ تَرُدُّ ظَمْآنًا وَرَدَ اِلٰى حِيَاضِكَ شَارِبًا كَلَّا وَحِيَاضُكَ مُتْرَعَةٌ فِيْ ضَنْكِ الْمُحُوْلِ وَبَابُكَ مَفْتُوْحٌ لِلطَّلَبِ وَالْوُغُوْلِ۔ پروردگار تو اس مسکین کو کیسے واپس کر دے گا۔ جو اپنے گناہوں سے بھاگ کر تیرے دروازے پر آیا ہے۔ پروردگار تو رہ ہدایت کو تلاش کرنے والے کو کیسے محروم کر دے گا جو تیری بارگاہ میں کوششیں کرتا ہوا آیا ہو، اس تمنا پر کہ اب مجھے راہ مل جائے گی پروردگار اس پیاسے کو کیسے محروم کر دے گا۔ جو تیری معرفت کو حاصل کرنے کھڑا ہوا ہو تیری چوکھٹ پر، ہی تو اس کو واپس کر دے گا اور حالانکہ تیرا دروازہ ہر ایک طالب وسائل کے لئے کھلا ہوا ہے۔

یہ "دعائے صباح" ہے۔ شانِ دعا آپ نے دیکھی، اللہ کے مخلص بندے جانتے ہیں کہ دعا وہ دعا ہو کہ جس میں لذتِ مناجات بھی ہو اظہارِ بندگی بھی ہو، شانِ بندگی بھی ہو اور اپنا مطلب بھی ادا ہو جائے۔ ایک اور منزلِ دعا۔ قرآن نے تو واقعہ یہ ہے کہ دعا کا طریقہ سکھلایا کہ پہلے معبود کی تعریف ہو، تحمید ہو، تمجید ہو پھر اس کے بعد دعا ہو، ایک اور منزلِ دعا کہ جہاں ۹ ذی الحجہ کو حسینؑ ابن علیؑ دعا کر رہے ہیں۔ اِلٰهِيْ تَرَدُّدِيْ فِي الْآثَارِ يُوْجِبُ بُعْدَ الْمَزَارِ اِلَيْكَ اَيَكُوْنُ لِغَيْرِكَ مِنَ الظُّهُوْرِ مَا لَيْسَ لَكَ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُظْهِرَ لَكَ مَتٰى غِبْتَ حَتّٰى تَحْتَاجَ اِلٰى دَلِيْلٍ يَدُلُّ عَلَيْكَ وَمَتٰى بَعُدْتَ حَتّٰى تَكُوْنَ الْآثَارُ هِيَ الَّتِيْ تُوْصِلُ اِلَيْكَ۔ مالک میرے میں تیری نشانیوں کو کیا ڈھونڈتا جاؤں کہیں ایسا نہ ہو کہ زیارت گاہ دور ہو جائے، میں آثار میں کہاں تک فکر کروں۔ ایسا نہ ہو کہ موشگافیوں میں تجھ سے ہٹ جائے، پروردگار کیا تیرے غیر کے لئے بھی کوئی ظہور ہے جو تجھے میسر نہ ہو، پروردگار تو غائب کہاں ہے کہ میں کسی کو دلیل بنا کر تیری بارگاہ میں لاؤں تو دور کہاں ہے کہ میں تجھے ڈھونڈتا پھروں۔ پروردگار اس نے کیا کھویا جس نے

تجھ کو پایا اور اس نے کیا پایا جس نے تجھ کو کھو دیا، یہ شانِ دعا ہے۔

دعا کی ساری مصلحت یہ ہے کہ دل ہر آن حاضر و ناظر رہے۔ دل ہمیشہ طالب و سائل رہے، دل ہمیشہ اس بات کو محسوس کرتا رہے کہ کوئی قریب ہے اور اس اعتبار سے دعا کی جاتی ہے اور بار بار قرآن یہ کہتا ہے دیکھو یہ کہتے رہنا رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (سورہ آلِ عمران آیت ۸) پروردگار کہیں میرے قلب میں کوئی ایسی بات نہ ہو کہ کجی آجائے، ہدایت کے بعد پھر کجی نہ ہو، مجھے ثابت قدم رکھ تیری بارگاہ میں چلتے ہوئے، تیری بارگاہ میں حاضری دیتے ہوئے میں ثابت قدم رہوں۔

اسی طرح سرکارِ رسالتؐ نے ایک دعا کی تھی، صبح روزِ بدر، بدر کی لڑائی چھڑی، دوسری ہجری اور عجیب دعا ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے، یہ دعا صرف دو زبانوں پر آئی۔ دو اللہ کے بندوں نے اس دعا کو دہرایا اور یہ تاریخ میں انھی کے لئے محدود اور مخصوص ہو کر رہ گئی، صبح بدر رسولؐ نے اس دعا کو پڑھا۔ صبح عاشور حسینؑ نے اس دعا کو پڑھا اب اس دعا کو بھی مجھ سے سن لیجئے ایک ہی دعا تھی نانا اور نواسے کی، صبح بدر اور صبح عاشور۔

اللّٰھم انت ثقتی فی کل کرب ورجائی فی کل شدۃ وانت لی فی کل امر نزل بی ثقۃ وعدۃ وکم من کرب یضعف عنہ الفؤاد وتقل فیہ الحیلۃ ویخذل فیہ الصدیق ویشمت بہ العدو انزلتہ بک وشکوتہ الیک رغبۃ منی الیک عمن سواک ففرجتہ وکشفتہ فانت ولی کل نعمۃ وصاحب کل حسنۃ ومنتھی کل رغبۃ: پروردگار تو میرا ذخیرہ سہارا ہے، پروردگار تجھ سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ پروردگار تجھی پر بھروسہ کیا ہے۔ پروردگار کتنی تکلیفیں کبھی کبھی ایسی پڑتی ہیں کہ جن سے کبھی کبھی دل کمزور ہو جاتا ہے اور دشمن اس وقت

رسوا کرنا چاہتا ہے اور دوست اس وقت ہنسی اڑاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسی گھڑیاں آتی ہیں اور جب ایسی گھڑی آئی ہے میں نے تجھ کو پکارا ہے میں نے تیری طرف توجہ کی ہے، تو نے اس طرح سے ہر بلا کو مجھ سے ٹال دیا، پروردگار آج میرے بے سہارا بن جا۔ یہ جنگ بدر کی دعا ہے۔

ایک آخری دعا ہے، روزِ عاشور حسینؑ نے دو دعائیں کی ہیں۔ ایک دعا صبح عاشور اور ایک دعا سارے عزیزوں کے قتل ہونے کے بعد اور یہ دعا عجیب ہے۔ اس دعا کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس دعا کو تیسری شعبان کی رات شبِ مولود پڑھا جائے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ مُتَعَالِی الْمَکَانِ عَظِیْمُ الْجَبَرُوْتِ شَدِیْدُ الْمِحَالِ غَنِیٌّ عَنِ الْخَلَائِقِ عَرِیْضُ الْکِبْرِیَاءِ قَادِرٌ عَلٰی مَا تَشَاءُ قَرِیْبُ الرَّحْمَۃِ وَشَکُوْرٌ اِذَا شُکِرْتَ وَ ذَکُوْرٌ اِذَا ذُکِرْتَ اُحْکُمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا وَنَحْنُ عِتْرَۃُ نَبِیِّکَ وَوُلْدُ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الَّذِیْ اصْطَفَیْتَہٗ بِالرِّسَالَۃِ وَائْتَمَنْتَہٗ عَلٰی وَحْیِکَ پروردگار تیرا مکان بلند ہے، تیرے جبروت میں عظمت ہے، پروردگار تو ہر ایک سے قریب ہے اے مالک میرے تو ہر آفت میں ہر مشکل میں تو واحد سہارا ہے عرض کرتے ہیں بارگاہ رب العزت میں پروردگار تیری ذات گرامی وہ ہے کہ جب تیرا کوئی ذکر کرتا ہے تو خود ذاکر ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی تیرا شکر ادا کرتا ہے تو اس کی قدر کرنے لگتا ہے پروردگار آج ہم میں اور اس قوم میں فیصلہ فرما، ہم تیرے نبیؐ کی عترت ہیں۔ ہم اس کی اولاد ہیں کہ جس کو تو نے امین بنایا تھا وحی اور رسالت پر۔

تو آپ نے دیکھا کہ شانِ دعا وہ ہو کہ جہاں رات کی تاریکی میں دل مصروف رہے۔ بلکہ صرف ایک بات جب ہم دعا کریں تو یقیناً اس دعا کے ساتھ کوئی واسطہ بھی رہے۔ کہ دعا پھر رد نہ ہو سکے چنانچہ بار بار عرض کیا گیا حج سے واپس ہوتے

والے جب مدینہ منورہ پہنچتے ہیں اور قبر رسولؐ پر آتے ہیں سورۃ نساء کی آیت تلاوت کرتے ہیں۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وہ لوگ جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اور وہ جب تیرے پاس آئیں۔ اے حبیب اور خدا سے بخشش مانگیں وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اور اگر اے رسولؐ تم ان کے درمیان واسطہ بن جاؤ، یقیناً اللہ کو وہ لوگ بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورۃ نساء آیت ۶۵) اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ مومن کبھی نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے معاملات میں تم کو واسطہ نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں سر بسر تسلیم کریں اور سورۃ احزاب میں ارشاد ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب ع ۵۶) یہ آیہ درود ہے جو سورۃ احزاب میں موجود ہے تو درود اور دعا کو واسطہ بناتے رہئے تاکہ دعا رد نہ ہو سکے۔

یہی وہ منزل ہے کہ عبدیت پہچانی جاتی ہے اور اسی منزل پر پہنچ کر فرزند رسولؐ نے طویل دعائیں کی ہیں روز عاشورہ، مرزا دبیرؔ نے وہ دعائیں نظم بھی کی ہیں ایک مقام پر مختصر سی ایک دعا یہ ہے۔

غم کا مجھے غم ہے نہ خوشی مجھ کو خوشی کی | تو سر پہ ہے پروا نہیں بندے کو کسی کی
ہاں ایک حاجت ہے حسینؑ ابن علیؑ کی | سر ننگے نہ دیکھوں میں نواسی کو نبیؐ کی

لہ یہ بند مرزا دبیرؔ کا ہے مرثیہ کا مطلع ہے "جب اصغر بے شیر گئے نہر لبن کو"

بے پردہ وہ جب ہو کر میں پیوندِ زمیں ہوں
اور یوں تیری مرضی ہے تو راضی بھی نہیں ہوں

یہ شانِ رضا ہے یعنی نفسِ مطمئنہ آگے بڑھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ آپ شامِ غریباں کا اہتمام کر رہے ہیں اور مجھ سے بھی یہی توقع کر رہے ہیں کہ میں شامِ غریباں پر گفتگو کروں لیکن شام ہونے سے پہلے کی روداد یہ ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ عزیزوں کو خدا حافظ کہہ کر، شہیدوں کے لاشے اٹھا کر جب خیمے میں آئے اور ایک مرتبہ گھر کی حالت دیکھی اللہ کسی گھر والے کو اس طرح سے گھر کا اجڑنا نہ دکھائے، سب کے سب پریشان ہیں، سب کے سب حیران ہیں۔ عابدؑ بیمار کے سرہانے بیٹھے سورۂ حمد کی تلاوت کی، بازو کو تھاما، عابدؑ بیمار نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا۔ بابا آپ زخمی ہیں۔ کیا چچا جان مارے گئے، فرمایا۔ ہاں بیٹا سب گھر کا گھر ہو گیا۔ بس اتنا کہنے کے لئے آیا ہوں اب یہ گھر تمہارے حوالے ہے، عابد بیمار اس گھر کا ذرا خیال رکھنا، خدا حافظ کہہ کے چلے تھے کہ عابدؑ بیمار نے چاہا کہ کھڑے ہو جائیں، امامؑ نے فرمایا، میرے حق کی قسم لیٹ جاؤ، تم کو اجازت نہیں ہے۔ باہر آئے اور آواز دی۔ زینبؑ و امِ کلثومؑ رقیہ اور سکینہ تم سب پر حسینؑ کا آخری سلام اس کے بعد خیمے کا پردہ اٹھا اور جناب زینبؑ سے بھی رخصت ہو چلے بے اختیار ایک بچی نے دامن تھام لیا، ایسے موقع پر اس بچی نے کہا

بابا جاتے ہو، جاؤ بابا، جاؤ بابا

میر انیس کہتے ہیں بچی نے کہا کہ

غش آئے گی جب آپ کی بو پاؤں گی بابا
میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا

فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر — چھاتی پہ سلائیں گی تمہیں رات کو مادر

وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں پھر علی اصغرؑ — فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے میں تم پر

شب ہو گئی اور دشت میں ہم ہوئیں گے بی بی
اصغرؑ میرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

وہ کہتی تھی کہ بس دیکھ لیا آپکا بھی پیار — میں آپ سے بولوں گی نہ اب یا شہ ابرار
اچھا نہ اگر کیجئے گا جلد آنے کا اقرار — مر جائے گی اس شب کو تڑپ کر یہ دل افگار

کیسی ہیں یہ باتیں میرا دل روتا ہے بابا
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا

اصغرؑ بھی ساتھ آپ کے اب تک نہیں آئے — بہلا لیا اماں نے اگر چونک کے روئے
معصوم کی ماں بھی پر کرے بے چین نہ ہوئے — یہ پیار جو جب پر اسے یوں ہاتھ سے کھوئے

بیٹے رہیں فرزند کے سب لخت جگر ہیں
میں ایک کی بیٹی ہوں وہ اماں کے پسر ہیں؟

سن کیا کہتے حسینؑ، اب کیا جواب دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ گفتگو کے سلسلے کو بدل کر کہتے ہیں

لو وقت نہ اب صبر کرو باپ کو جانی — کچھ دیتی ہو عباسؑ کو پیغام زبانی
ہو دے ہیں لب لعل یہ بے تشنہ دہانی — ملتا ہے تو بی بی کے لئے لاتے ہیں پانی

محبوب نبی کے نواسے ہیں سکینہؑ
ہم بھی تو کئی روز کے پیاسے ہیں سکینہؑ

اب بچی چپ ہو گئی جب باپ نے پیاس کا تذکرہ کیا۔ بچی چپ ہو گئی، حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ سکینہؑ اب مجھے جانے دو، شاید میں تمہارے لئے پانی لا سکوں، سکینہؑ یہیں ٹھہرو، حسینؑ گئے عصر کا وقت آ گیا۔ کربلا کے میدان میں شام ہو گئی حسینؑ گئے اور آفتاب ڈوبا، حسینؑ گئے اور بچی نے طمانچے کھائے، حسینؑ گئے اور بچی کے گوشوارے چھینے گئے، بچی انتظار میں رہی خیمے جل گئے،

بیبیوں کی چادریں چھین لی گئیں بچی بین کہتی رہی، بابا نہیں آئے، بابا کہہ کے گئے تھے، بابا نہیں آئے، جناب زینبؑ جلتے ہوئے خیموں سے بچوں کو نکال کر لائیں، اور ایک مرتبہ سب کو دیکھنا شروع کیا دیکھا تو سکینہؑ نہیں ہیں۔ ام کلثومؑ سکینہؑ بی بی نہیں ہیں۔ ام کلثومؑ سکینہؑ بی بی نہیں ہے۔ ام کلثومؑ تم یہاں بیٹھو میں ذرا جا کر دیکھ آؤں، شاید نہر پر چچا کے پاس گئی ہو۔ نہر کے پاس گئیں۔ آواز دی عباسؑ وہاں سکینہؑ تو نہیں ہے۔ وہاں سکینہؑ تو نہیں آئی، کوئی جواب نہیں آیا۔ وہاں سے سیدھی مقتل میں آئیں، لاشِ حسینؑ کے قریب آئیں، بھائی وہاں سکینہؑ ہے۔ ایک مرتبہ ایک آواز پیدا ہوئی زینبؑ آہستہ بولو میرے سینے پر سو رہی ہے۔ میرے سینے پر سو رہی ہے۔ جناب زینبؑ نے دیکھا چھوٹی بی بی کا بازو تھام کر بلایا، سکینہؑ بی بی جنگل میں نہیں سوتے، ایک مرتبہ آنکھیں کھول کر کہا: میرا بابا اکیلا ہے۔ پھوپھی اماں میں نہیں آؤں گی زینبؑ نے کہا چلو بی بی سکینہؑ گھر چلو سکینہؑ۔

سجدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أُولٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا (سورہ مریم آیت ۵۸)

یہ سورہ مریم کی آیت ہے اور ظاہری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جن بندوں پر ہم نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا انبیاء میں سے جو ذریت آدمؑ میں سے ہیں اور جو نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار تھے یا وہ ذریتیں جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے سلسلے میں پھیلیں یہ سب کے سب وہ بندے ہیں جب ان پر رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو تُتلٰی عَلَیْھِمْ آیاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا تو روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ انبیاء کا شعار سجدہ۔ انبیاء کا طریقہ سجدہ۔ اولیاء کی زندگی سجدہ محبت کا راز سجدہ معرفت کی تلاش سجدہ اور پھر اس تذکرے کے ساتھ کہ جن پر ہم نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔ انبیاء میں سے ان کا شعار کہ یہ ہے کہ رحمٰن کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ تو تقاضائے رحمانیت سجدہ جہاں جو عمل ہوا ہے یوں کہ وہ اپنے خوان کرم سے فرعون کو بھی سرفراز کرے اور موسیٰ کو بھی ابراہیم کو بھی عطا کرے، نمرود کو بھی اسی خوان کرم پر دوست اور دشمن پر وہی

پائیں اور اس ہی کی رحمتوں سے موحد اور مشرک استفادہ کریں تو وہ رحمن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے انسان اب تو سجدہ کر دے۔ یہ وہ منزل ہے کہ جہاں میں مختصر سی توجہ کا طالب ہوں۔ قرآن مجید میں لفظ سجدہ چونسٹھ مقامات پر آیا ہے اگر آپ قرآن کی تلاوت کے دوران میں مسلسل دیکھتے ہوئے جائیں تو ایک مقام پہ آپ کو یہ ارشاد بھی ملے گا سورہ رعد میں کہ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (سورہ رعد آیت ۱۵) اسی کو سجدہ کرتے ہیں زمین و آسمان میں جو بھی ہے "من" ذوی العقول کے لئے ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ وَ اَمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ان کے اظلال کے سائے فقط یہی نہیں کہ جہاں آفتاب کسی چیز کو اپنے سامنے دیکھ کر سایہ ڈال دے۔ ان کے اثرات جہاں تک جائیں، ان کا نفوذ جہاں جہاں تک جائے۔ ان کا ظل بننے کی جو جو کوشش کرے۔ وہ سب کے سب سجدہ کرتے ہیں ان کے اظلال بھی سجدہ کرتے ہیں۔ ان کے سائے بھی سجدہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ نحل میں ارشاد ہوا۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (سورہ نحل آیت ۴۹) یہ "ما" غیر ذوی العقول کے لئے ہے وہ ہر شے سجدہ کرتی ہے جو بھی زمینوں میں ہے اور جو بھی آسمانوں میں ہے وہ ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے، غیر ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے۔ کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سجدے کا انکار کرے۔ ایک ایک ذرہ سجدہ کر رہا ہے۔ ایک ایک ذرہ مقام تمجید پر ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (سورہ اسراء آیت ۴۴) کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اپنے رب کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر یہی کہ تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

ما من شئ الا لہ لسان لکی التسبیح — کوئی شے ایسی نہیں ہے

زبان ملکوتی نہ ہو۔ جس سے تسبیح و تقدیس و تہلیل و تمجید الٰہی نہ ہوتی ہو۔ ساری کائنات تسبیح کی منزل پر ہے اور پھر تسبیح و تقدیس کا کمال انتہائے بندگی کچھ منازل کے بعد پہلی منزل جہاں توجہ ایک طرف ہو رخ حیات ایک طرف ہو۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ہر ایک کے لئے ایک رخ حیات ہے جو ہی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ آپ کھڑے ہو گئے یہ قیام ہے۔

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (انعام آیت ۷۹) میں اپنے توجہات کو اپنے خالق کی طرف اور اپنے و آسمان کو پیدا کرنے والے کی طرف مبذول کر رہا ہوں اور یقیناً میرا قیام اسی لئے ہے۔ یہ ایک صورت بندگی ہے اور پھر رکوع کہ جہاں یہ بھی پسند نہ ہوا کہ میں حالت قیام میں اپنی انا کو منواؤں یہ قیام بھی نہیں بلکہ رکوع ہے۔ اور اس کے بعد تیسری منزل انتہائی منزل عبادت ہے کہ جہاں نہ قیام پسند ہے نہ رکوع اب سجدہ چاہتے۔ اب فنائے ذات چاہتے۔ اب ہمیں اپنی بقا نہیں کسی اور کی بقا منظور ہے۔ سجدہ شرافت انسان۔ سجدہ کمالِ حیاتِ انسان، اب دل تڑپے تو سجدہ کرے نعمت ملے تو سجدہ کرے ذرا سی کوئی اچھی بات ہو جائے تو سجدہ کرے۔ یہ سجدے کی حالت انسان کو کامران و کامیاب بنائے گی۔ نہ گھبراؤ سجدے سے نہ بھاگو سجدے سے، منہ نہ پھیرو سجدے سے۔

حریم تیرا خودی غیر کی! معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منات

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تو اس طرح سے انسان ساری زندگی میں ان لمحات کی قدر کرے کہ جہاں دل تڑپ سکے یہ چاہیے کہ چلو سجدہ کریں یعنی یہ ضروری نہیں کہ وقت سجدہ آئے، یہ ضروری نہیں کہ وقت عبادت رہے۔ بھی ذرا سی نعمت ملی سجدہ، ذرا سی خطا نظر آئی سجدہ، ذرا سی خوشی معلوم ہوئی سجدہ، ذرا سا غم آگیا سجدہ، ذرا سا اندوہ پیدا ہو گیا سجدہ، وہ غم و ہم میں،

اور خوشی اور مسرت میں سجدے کی عادت یہ انبیاء کا شعار ہے مگر اس کے ساتھ قرآن نے کہا کہ یوں سجدہ نہیں کرتے روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں تو روتا اور سجدے میں گرنا یہ انبیا کا شعار ہے

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا (سورہ مریم آیت ۵۸)

جب ان پر رحمٰن کی آیت کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں سورۃ فرقان قرآن کا پچیسواں سورہ ہے وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (سورۃ فرقان آیت ۶۳) اور رحمٰن کے بندے سر جھکا کر چلتے ہیں وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (سورہ فرقان آیت ۶۳) اور جب کوئی جاہل ان پر سلام کرتا ہے تو تم سلامت رہو یعنی ان باتوں میں یہ مٹھاس ہے يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا (سورہ فرقان آیت ۶۴) رحمٰن کا بندہ ہی سجدہ کرتا ہے۔ وہ سجدہ کہ جہاں انسان کبھی کبھی انتہائی کفر کے باوجود انتہائی عدوان کے باوجود ایک منزل محسوس کرتا ہے کہ کوئی ہے میرا پیدا کرنے والا کوئی ہے میرا خالق اور سجدۂ بے اختیار۔ قرآن نے موسیٰ سے بحث کی وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ مومنین کا رب کون ہے۔ موسیٰ نے بتلایا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ (سورۃ شعراء آیت ۲۴) اپنے دربار والوں سے کہو کہ سنتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے بے اختیار موسیٰ نے کہا رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ (سورۃ شعراء آیت نمبر ۲۶) جو تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے اہل دربار نے کہا کہ یہ تو مجنون ہو گیا ہے مگر موسیٰ رکتے نہیں ہیں۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (سورۃ شعراء آیت ۲۸) وہ مشرق کا بھی رب ہے وہ مغرب کا بھی رب ہے اگر تم یقین لاؤ۔ اس نے کہا کہ ہم تم کو سزا دیں گے اور تجویز قرار پائی کہ جادوگروں کو بلایا جائے تا کہ وہ اپنے سحر سے موسیٰ کو شکست دیں۔ جادوگر جمع ہوئے فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ موسیٰ نے اپنے عصا کو

پھینک دیا۔ اور جیسے جیسے ان جادوگروں کی رسیاں سانپ بنتی جاری تھیں موسیٰ کا عصا ان سب کو نگلتا جا رہا تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ (سورۃ شعرا آیت ۴۶) سارے ساحر سجدے میں گر گئے اور بے اختیار کہا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہم عالمین کے رب پر ایمان لائے۔ کون عالمین کا رب نسبت بھی چاہئے تھی کہا رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ (شعراء ۴۸) ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔ فرعون نے بگڑ کر کہا کہ اٰمَنْتُمْ لَہٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ (سورۃ شعرا آیت ۴۹) تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے۔ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ (سورۃ شعرا آیت ۴۹) اب میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹوں گا کہ سیدھا ہاتھ بایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ سیدھا پاؤں وَّلَاُصَلِّبَنَّکُمْ اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا جو کہ وہ سجدہ کر چکے تھے اور سجدے کی طاقت یہ تھی کہ بے اختیار کہے لَا ضَیْرَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (سورۃ شعرا آیت ۵۰) اب ہم کو ڈر نہیں ہم اپنے رب کی طرف منقلب ہونے والے ہیں۔ یہ سجدے کی طاقت تھی کہ جو پیشانی سجدے میں جھک پڑتی ہے اور پھر غیر حق سے اور غیر معبود سے پھر کسی منزل پر اپنی عاجزی اپنی تواضع کا اظہار نہیں کرتی بلکہ اس میں ایک ایسی قوت آتی ہے جو فرعون کی ساری سزاؤں کے اعلان کے بعد بھی اُس کے جادوگر کہتے ہیں کہ ہم تو منقلب ہو گئے۔

سجدہ بدل دیتا ہے ہستی کو، سجدہ بدل دیتا ہے فطرت کو۔ سجدہ انبیاء کے گروہ نے کیا۔ سجدہ اولیاء کے گروہ نے کیا۔ سجدہ انہوں نے کیا جنہوں نے رحمٰن کو رحمٰن مانا اور پھر اس منزل پر پیغمبر کو سورہ شعراء میں حکم ہے کہ وَتَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ یَرٰىکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ (سورۃ شعرا آیت ۲۱۹) تو اپنے رب پر بھروسہ کر کہ جو تجھے قیام کی حالت میں دیکھتا ہے جب تو بدل بدل کر سجدہ کرنے لگتا ہے۔ اس کی تفسیر امام فخرالدین رازی نے کی کہ تقلبک فی الساجدین

کہ تو ساجدین میں کروٹیں لے رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ آبائے پیغمبر ہیں یہ اجداد پیغمبر ہیں جو سب کے سب سجدہ کرنے والے تھے۔ جو سب کے سب رحمان کو رحمان ماننے والے تھے۔ جو سب کے سب رب العالمین کو رب العالمین جاننے والے تھے۔ پیغمبر کے آباؤ اجداد ساجدین میں سے اور وہ جن کو پیغمبر نے ادب سکھلایا۔ ان کا یہ عالم ہے کہ جب قرآن نے ان کا قصیدہ شروع کیا تو آواز دی سورۂ توبہ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ (سورۂ توبہ آیت ۱۱۱) اللہ نے صاحبان ایمان سے ان کے نفوس کو اور ان کے اموال کو خرید لیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ ابدی نعمتیں دیں گے۔ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ وَ الۡقُرۡاٰنِ اللہ کا یہ وعدہ حق ہے۔ قرآن میں تورات میں اور انجیل میں وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِعَہۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ اور سنو کہ یہ تمہارے لئے فوز عظیم ہے اس سودے پہ ناز کرو۔ کون ہیں قتل ہونے والے ادھر قتل کرنے والے نفسوں کو بیچنے والے یہ کون ہیں۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ یہ توبہ کرنے والے یہ روزہ رکھنے والے یہ حمد کرنے والے یہ سجدہ کرنے والے۔

اَلۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ النَّاہُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (سورہ توبہ آیت ۱۱۲) یہ معروف کا حکم دینے والے یہ منکر سے روکنے والے یہ حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے۔ ان صاحبان ایمان کو خوشخبری دو۔ تو آپ نے دیکھا کہ یہاں بھی سجدے کی منزل عابدین کے بعد ہے۔ حامدین کے بعد ہے۔ تائبین کے بعد ہے۔ آخری منزل عمل ساجدین۔

سجدہ ابتدائے بندگی، سجدہ خلاصہ بندگی ہے۔ سجدہ انتہائے زندگی اور سجدہ وہ کہ جہاں انسان اگر صحیح معنی میں یہ طے کرے کہ ہم اپنے رہنے کے مکانات میں ایک ایسی مخصوص جگہ بنائیں گے جہاں ہر حال اور ہر لمحہ جب دل چاہے ایک سجدہ بے اختیار ہو جائے۔ دعا کی اور کچھ پڑھنے کی اور تسبیح پڑھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ سجدہ ہو دل تڑپ جائے کہ خالق تیرا شکر ہے کہ سجدے کا موقع ملا سجدے کی حقیقت کو جانو، سجدے کو سمجھو، تاکہ دل بے چین ہو، دل میں اضطرار کی کیفیت ہو اور انسان چاہے کہ یہ پیشانی خاک پر رکھ دی جائے۔ ممکن ہے کہ پہلے دنیا اس کو دیوانہ سمجھے یہ بار بار سجدہ کرتا ہے ان کو کیا معلوم کہ ساجدین کا سردار کون ہے؟ کیا معلوم کے عابدین کا سردار کون ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ سجدہ کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ مقام رکوع عظمتِ الہٰی کا تصور ہے۔ مقام سجود علوِ الہٰی کا تصور ہے۔ وہاں سبحان ربی العظیم کہہ کر آگے بڑھ گئے یہاں سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر سر رکھ دیا، علو ہے علو ہے۔ مالک تیرے لئے علو ہے اور میری پستی کو تو جانتا ہے اور اس طرح مقام تضرع میں جب کسی نے سجدہ کیا تو دل کی حقیقت نہ پوچھو۔ آپ کو معلوم ہے کہ جھگڑا تو اس سجدے کا ہو اتھا اور پھر رسول کو یہ کہنا پڑا کہ ماکان لی من علم بالملاء الاعلیٰ اذ یختصمون میں نہیں جانتا کہ ملاء اعلیٰ میں کیا ہنگامہ تھا مجھے وحی آئی کہ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ (سورہ زمر آیت ۷۲) کہ میں ایک بشر کو مٹی سے بنا رہا ہوں اور جب میں اس میں اپنی روح ڈال دوں تو تم سب کے سب سجدہ کرنا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ

سبھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا۔ آغاز حیات انسان کا

جھگڑا ہے۔ اس نے سجدہ نہیں کیا۔ اور جب اس سے پوچھا گیا کہ :- مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (سورۃ زمر ع ۵، ۷) کس چیز نے تجھ کو اس سجدہ سے منع کیا۔ میں نے اس کو قدرت کاملہ سے بنایا تھا۔ تو اس نے یہ جواب نہیں دیا کہ تجھ کو ایک مان کر دوسرے کو سجدہ کیسے کروں۔ اس نے جواب دیا کہ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا اور اس طرح میں نے اپنے آپ کو جان کر کہ میں اپنے آپ کو افضل جانتا ہوں میں نے سجدہ نہیں کیا آواز آئی۔

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (سورہ زمر آیت ۷۷) جاؤ یہاں سے تم راندہ بارگاہ ہو۔ سجدے میں یہ جھگڑا تھا اور وہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ بتانا یہ تھا کہ ایک منزل احترام ہے کہ جہاں ہم یہ چاہتے ہیں کہ جہاں کسی کے احترام کو ظاہر کرے۔ دنیا کی پیشانیوں کو وہاں خم کردے۔ اور ظاہر ہے کہ ہم نے حکم دیا تھا سجدے کا کسی اور نے نہیں دیا تھا۔ ہم چاہتے تھے سجدہ روز اول سے یہ جھگڑا اور پھر ایک نبی کا یہ شعار بن گیا کہ ہم سجدے سے کبھی رو گردانی نہیں کریں گے۔ کبھی نہیں ہٹیں گے۔ سجدہ کرنے والوں کو ہم نے دیکھا۔ سجدہ کرنے والی کیفیتوں سے ہم دوچار ہوتے۔

بہرحال اس منزل پر ہم آ گئے جہاں اقبال کہتے ہیں۔

اوں کہ زیر تیغ گوید لا الٰہ

اوں کہ از خونش بروید لا الٰا

وہ جو تیغ کے نیچے لا الٰہ کہے اور وہ جس کے خون سے لا الٰا نمو پائے۔ لا الٰہ کا نمو اس خون سے ہو پھر کہتا ہے کہ

اوں کہ بخشد بے یقیناں را یقیں

اوں کہ لرزند از سجود او زمیں

وہ بے یقینوں کو یقین دینے والا ہے۔ وہ جس کے سجدے سے زمین کانپ تھی۔ میر تقی میر نے دفتر چہارم میں کس شان سے گفتگو کی ہے کہا کہ

شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے ہیں
سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

تو یہ ہے وہ سجدے کا مقام جہاں صحیح معنی میں بندگی کا ادب سکھلایا گیا۔ جہاں یہ بتلایا گیا کہ راز عبادت کیا ہے۔ بہر حال اگر ذہن میں رہے اگر پیغام کی حفاظت کی جائے تو ترتیب کہ ایک ہی سجدہ حالتِ اضطرار میں ایک سجدہ پہلی آسمانی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ اور آخری آیت سجدے کی آیت سجدہ واجب جہاں کہا گیا کہ یہ انسان باغی ہو گیا ہے۔ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی جب اس کا پیٹ بھرتا ہے تو وہ بغاوت کرتا ہے كَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ اگر یہ باز نہ آئے تو ہم اس کی جھوٹی پیشانی کو پکڑ کر کھینچ لیں گے فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ (سورۃ علق آیت ۱۸) وہ اپنے دوستوں کو پکارے ہم جہنم کے شعلوں کو آواز دیں گے۔ لَا تُطِعْهُ خبردار! اس کی اطاعت نہ کرنا آخر کے دو لفظ اگر میں پڑھتا ہوں تو سجدۂ واجب ہے صرف اس کا ترجمہ کرتا ہوں۔ کہ خبردار! اس کا اطاعت نہ کرنا سجدہ کرنا مجھ سے مل جانا۔

پیغمبرؐ کو پہلی وحی میں یہ نسخہ بتلایا حسینؑ نے آخری سانس تک اس پر عمل کیا۔ یعنی اطاعت نہیں کریں گے بلکہ تقرب کے لئے سجدہ كَلَّا لَا تُطِعْهُ خبردار اس کی اطاعت نہ کرنا سجدہ کرنا اور قرب پالو اور اس شان سے کوئی سجدہ کرنے والا کہ جہاں کا ئنات لرز جائے سجدے کی تیاری کے لئے قیام ختم ہوا۔ رکوع ختم ہوا سجدے کی تیاری کے لئے کائنات کو چھوڑ رہا ہے۔ بیٹا نہیں، بھائی نہیں، بھتیجے نہیں بھانجے نہیں۔ اب گھر نہیں اہل حرم نہیں۔ نہیں نہیں بلکہ میں بھی نہیں۔ اب میں اللہ

میرا معبود ۔ یہ بھی سجدے کی منزل ہے ۔ یہ ہے سجدے کا مقام کس شان سے سجدہ حسینؑ کو منظور ہے کس شان سے سجدہ میرے آقا مولا حسینؑ کو منظور ہے یہ پیغمبرؐ کا نواسہ ہے ۔ اس نے اپنے نانا کو بھی سجدے میں دیکھا ہے ۔ بہت نزدیک سے دیکھا ہے کاندھے پر سوار ہو کر دیکھا ہے ۔ حسینؑ کو معلوم ہے سجدے کا اخلاص اخلاص بندگی کیا ہے اس سجدے کی تیاری میں سب کچھ چھوڑ کر چلے یا زینب یا ام کلثوم ۔ یا رقیہ یا سکینہ علیکن منی السلام تم سب کو میرا اسلام سب کو رخصت کیا سوار ہوئے مقتل میں آتے جاتے ، وہ دسویں محرم کی عصر تھا ظہر کا وقت ختم ہو چکا عصر کی تیاری ہے ۔ حسینؑ سجدہ حالم کے لئے بے چین ہے کچھ دیر تو حملہ کیا خوب لڑے فاتح خیبر کا لال تھا کیسے نہ لڑتا ۔ ایک مرتبہ لاشِ پسر نظر آئی کہا سہ

تم نے نہ دیکھی جنگ پدر اے پدر کی جاں!

اس کے بعد تلوار کو روک لیا ۔ زخمی ہوتے چلے گئے ذوالجناح کی گردن میں ہاتھ ڈالا کربلا کے میدان میں کون بین کرے کون فریاد کرے محمدؐ کی بیٹی چیختی ہوئی کہہ رہی تھی کہ زینبؑ نکل ! کبھی کہہ رہی تھی کہ

جنگل سے آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا
امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حق رفاقت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا

انیس سو ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینبؑ نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

اے ارض کربلا میرا بچہ ہے بے گناہ

اے دشت نینوا میرا بچہ ہے بے گناہ

اے نہر علقمہ میرا بچہ ہے بے گناہ

اے دہر بے وفا میرا بچہ ہے بے گناہ

گھیرا ہے ظالموں نے میرے نورِ عین کو

اے ذوالفقار تجھ سے میں لونگی حسینؑ کو

حسینؑ ابن علی پشت ذوالجناح پر جھک رہے تھے۔ دو ہاتھ کانپتے ہوئے نکلے زمین سے۔ ایسے میں حسینؑ ابن علی زمین پر آئے۔ اور آتے ہی وعدہ طفلی یاد آیا۔ انبیاء کی سیرت تھی، وہ وارث آدمؑ تھے۔ وارث نوحؑ وابراہیمؑ تھے۔ وہ وارث موسیٰ وعیسیٰ تھے۔ وہ وارث محمدؐ تھے۔ گرتے ہی سجدہ کیا۔ یہ سجدہ ہے جسے اقبال نے بھی ذکر کیا۔ یہ سجدہ ہے جسے سارے شعرا نے بھی ذکر کیا۔ یہ سجدہ ہے جلتی ریت پر پیشانی کو رکھ کر آواز دی کہ رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ میں تیری قضا پر راضی ہو گیا اور تیرے امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ وصبراً علی بلائک اور تیرے امتحان پر صبر کرتا ہوں۔ لامعبود سواک تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یا غیاث المستغیثین اور آخر میں سجدے میں ایک دعا کی اور عجیب دعا کی کہ پروردگار! میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔ سجدہ ختم ہوا سر نہیں اٹھایا۔ سر اٹھایا گیا۔ کربلا کے میدان میں شام ہوئی ہائے شامِ غریباں ایسے موقع پر بہن بھی آئیں، بھائی کو سلام کیا۔ رخصت ہو گئیں۔ مگر سکینہ کہہ چلی تھیں کہ

میں رات کو مقتل میں چلی آؤنگی بابا

جب خیمے جل چکے تو زینبؑ نے بچوں کو گننا شروع کیا۔ تو دیکھا کہ سکینہؑ نہیں ہے ایک مرتبہ جلتے ہوئے خیموں میں ڈھونڈتی رہی۔ عابد بیمار سے پوچھا۔ ام کلثوم سے پوچھا ایک ایک بی بی سے پوچھا سکینہؑ تو نہیں ہے کسی نے جواب نہیں دیا۔ ہر طرف آواز دی

ہر طرف ڈھونڈتے ہوئے پھریں۔ جب کہیں سے کوئی جواب نہ آیا تو دریا کی طرف گئیں آواز دی عباسؑ سکینہؑ نہیں ہے کوئی جواب نہیں آیا۔ جلدی جلدی قتل گاہ میں آئیں کہا بھائی! کیا سکینہؑ یہاں آئی ہے۔ آواز آئی۔ زینبؑ آہستہ بولو سکینہؑ ابھی ابھی سوئی ہے۔ سکینہؑ سینے پر سو رہی ہے۔ زینبؑ نے جا کر سکینہؑ کا بازو تھاما۔ اٹھو سکینہؑ اس طرح سے راتوں کو کوئی گھر چھوڑ کر نہیں جاتا۔ کہا پھوپھی اماں! میرے بابا بھی تو اکیلے سو رہے ہیں۔ ان کو تنہا نہیں چھوڑوں گی

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

یقین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

سورۃ حجر کلام مجید کا پندرہواں سورہ ہے۔ یہ سورۃ کی آخری آیت ہے اور آخری آیت کا آخری لفظ میرا موضوع ہے یعنی یقین ۔ عبادت کا کمال سجدہ ہے اور سجدہ اس طرح سے مسلسل رہے، اس طرح سے باخلوص رہے اور عبادت کی اس طرح سے روح بن جائے کہ " ارشاد ہوتا ہے عبادت کر اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے " پھر ذہن میں رکھیئے " اپنے رب کے نام کی تسبیح کر، اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا اور اپنے رب کی اتنی اطاعت کر اتنی عبادت کر کہ تجھے یقین آجائے، یقین کی منزل علم کا وہ کمال ہے جہاں غیب شہود سے بدل جائے، جہاں غیب نظر سے حضور بن جائے، اب اگر علم یہ مشاہدہ دنیا میں عطا کرے تو وہ یقین ہے اور اگر موت اس مشاہدہ کو پیدا کرے تو وہ موت یقین ہے۔ اس لیے تفسیر میں یقین کے دونوں معنی کیے گئے ہیں۔ کہ اتنی عبادت کر کہ علم مشاہدہ کی منزل پر آجائے یا موت آجائے۔ اس لیے کہ موت قفس کے دروازے کو کھول دیتی ہے۔ روح کو آزاد کر دیتی ہے، ماوراے عجائب اشیاء کو سامنے لاتی ہے اور انسان کو ہر شے سے آگاہ کر دیتی ہے جس

ہے وہ بے صبر تھا۔ اتنی عبادت کر کہ یقین آجائے۔ یقین بڑی دولت ہے۔ بڑی دولت ہے یعنی اگر یقین کو سمجھتا ہو، تو ضد کو سمجھو، کہ شک کیا ہے۔ عنوان کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ کتاب الہٰی قانونِ ربانی کے جو ہمارے لئے قیامت تک دستورِ حیات ہے۔ وہ اس طرح سے شروع نہیں ہوتا کہ یہ رحمت کی کتاب ہے۔ یا یہ علم کی کتب ہے، یہ معرفت کی کتاب ہے۔ یہ حکمت کی کتاب ہے، بلکہ شروع کیا جاتا ہے اس کتاب کو اس طرح سے "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ" یہ وہ کتب ہے جس میں شک نہیں ہے۔ ریب نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا اس کی اہمیت کو ـــ؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کا یہ دوسرا سورۃ، سورۃ بقرہ جو سورۃ حمد کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اس کا جو ابتدائی حصہ ہے وہ متعلق ایمان کی تعریف میں ہے اس کے بعد کافروں کی تعریف ہے اس کے بعد ان لوگوں کی تعریف ہے جو کبھی کفار کے پاس جاتے ہیں، کبھی مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ کبھی اُن کی باتیں سنیں، کبھی ان کی باتیں سنیں، نوعِ انسانی کی تقسیم کی گئی ہے۔ آغاز قرآن میں۔ مگر جب مومنین کا تذکرہ کیا اور کہا۔

لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۞ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۞

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے یہ کتاب ہدایت بن کر آئی ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز کا قیام ان کا فریضہ ہے اور پھر جو کچھ رزق ہم نے دیا اس میں انفاق کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ جو کچھ تم پر نازل ہوا تجھ سے قبل ہم نے نازل کیا۔ اور پھر آیت یہاں پر ختم ہوئی۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ "

انجام عمل پر، انجام کار پر، آخرت پر نتیجہ پر، انتہا پر نظر نہیں یقین ہے۔
اب آپ نے دیکھا کہ کلام ربانی کا آغاز ہی یہ شک ہے کہ شک نہیں اس کتاب میں
اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ یقین کی منزل پر پہنچے تو سجدے کے بعد جو منزل حاصل
ہوتی ہے۔ وہ بجز یقین کچھ نہیں، اب اس طرح سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو
قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یقین سے گفتگو کی گئی ہے۔ کہیں عین الیقین پر
گفتگو ہے۔ کسی مقام پر یہ بتلایا کہ کس طرح سے انسان منازلِ یقین کو طے کرتا ہے،
مختصر سے وقت میں ایک ذرا سا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ قرآن کو بیان سے ملا کر
قرآن نے ۲۰ مقامات پر یقین سے گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح سے کلام معصوم نے
جو صراحت کی ہیں اس کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد فرماتے ہیں سنو۔ وہ یہ ہے
کہ علم اور یقین یہ بڑی دولتیں ہیں۔ اور اس طرح کی دولتیں ہیں کہ:۔
اِذَا عَلِمْتُمْ فَاعْمَلُوْا اگر علم ہے تو عمل کرو۔ وَاِذَا اَیْقَنْتُمْ فَاقْدِمُوْا اگر یقین
ہے اقدام کرو۔ یہ علم اور یقین کی منزل ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا عِلْمَکُمْ جَهْلًا وَیَقِیْنَکُمْ شَکًّا
خبردار اپنے علم کو جہل سے نہ بدلو اپنے یقین کو شک میں تبدیل نہ کرو۔ علم اپنی منزل
پر رہے۔ علم کی ضد شک نہیں علم کی ضد جہل ہے۔ یقین کی ضد شک ہے۔ اور
جہاں شک آجائے اور شک پر شک آئے تو مسلسل شک آئے تو پھر وہ بیماری ہے
دل کی بیماری ہے روح کی بیماری ہے۔ جسم کی چھ حالتیں ہیں۔ جسم خوابیدہ ہے
یا بیدار، جسم مردہ ہے یا زندہ۔ جسم صحت مند ہے یا بیمار، بالکل اسی طرح روح کی
چھ حالتیں ہیں۔ روح کی زندگی علم ہے، روح کی موت جہل ہے، روح کے لئے
نیند غفلت ہے، روح کے لئے بیداری انتباہ ہے تنبیہ کرتے جانا ہے کہ ہاں۔
ہوشیار اور روح کی بیماری شک ہے روح کی صحت یقین ہے۔ صحت روح یقین

اور جب انسان کو یہ دولت مل جاتی ہے تو روح اپنی صحت کے ساتھ قلب کی بیماریوں کو دور کرکے، اپنے آپ کو معرفت کی راہوں میں پاتا ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ ارشاد فرمایا کہ ایمان کے لئے لازم ہے کہ صبر و یقین و جہاد یقین کی چار حالتیں ہیں ایک تبصرۃ الفطنۃ۔ یعنی زیرکی میں ڈوبا ہوا عقل مندی ہی عقل مندی ہو یقین کی پہلی حالت۔ دوسری حالت تاول الحکمۃ۔ جب عقل مند ڈوب جائے تو حکمت کے موتی لائے۔ تیسرے تبصرۃ الموعظۃ کہ برابر دنیا کو دیکھتے جائیے۔ اور عبرت حاصل کرتے جائیں یقین، صاحب یقین عبرت حاصل کرتا جائے۔ چوتھے سنت ماضیین جانے والوں پر نظر رہے کہ ان کے یقین کا کیا عالم ہے۔ اس لئے کہ ہمارا استقبل ہمارے ماضی سے کٹا ہوا نہیں ہے۔ ماضی سے کٹ کے جی نہیں سکتے ہیں ہم اپنے یقین کو اس یقین سے ملانا چاہتے ہیں اگر حجاب ہائے آسمانی میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جائیں تو یقین کی منزل ہے وہاں سے ہم نہیں ہٹیں گے۔ جو یقین ہمارا ہے وہ آگے نہیں بڑھے گا تو یہ ہے ماضیین کا تذکرہ۔ بیٹے کو وصیت کی یعنی امام حسینؑ کو صفین سے واپسی پر وصیت نامہ لکھا۔ اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔ بیٹا اپنے دل کی زندگی چاہتے ہو تو ہمیشہ اس دل کو نصیحت کرتے رہو۔ اور زہد کی باتیں سنا کرو۔ اسے گوشہ نشین رکھو۔ اس کو کسی ایک مقام پر سکون سے رہنے دو۔ دل کو نور حکمت دو۔ اور اس کو یقین سے قوت عطا کرو۔ دیکھا دل کی قوت یقین ہے۔ روح کی صحت یقین ہے۔ علم کا کمال یقین ہے۔ غیب کو شہود سے بدلنا یقین ہی سے ممکن ہے اور یہ اس طرح سے نہیں آتا کہ انسان فلسفیانہ افکار میں اپنے آپ کو مبتلا کرکے یقین کرکے خود کو ڈھونڈے نہیں، یہ یقین آتا ہے کہ اپنے رب کی آتی جملکو کر کر یقین آ جائے۔ اگر تھوڑی سی توجہ اور دی جائے اس بیان پر تو ارشاد ہوا کہ علم و معرفت الہی کا مدار کچھ مسائل پر ہے۔ عارفوں کی باتیں، عارفوں کی زندگی تمہیں

اصولوں پر قائم ہے۔ یا خوف پر یا امید پر، یا محبت پر۔ عارفوں کی باتوں کی بنیاد ریں تین امور پر ہیں۔ یا خوف ہے یا امید ہے یا محبت۔ ارشاد فرمایا خوف نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ علم نہ ہو اس لئے کہ قرآن نے کہہ دیا۔ اللہ سے ڈرنے والے وہی ہیں جو صاحبانِ علم ہیں۔ خوف ضروری ہے انسان کے دل میں مگر اللہ کے لئے یہ خوف! اور خوف پیدا نہیں ہوتا جب تک علم نہ ہو اور اس کے بعد ارشاد ہوا کہ امید بنتی کیسے ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو کوئی امید نہ باندھے جس کی ذات میں یقین ہوتا ہے اسی سے امیدیں وابستہ ہوتی ہیں جس کی ذات پر یقین نہیں ہوتا امیدیں وابستہ نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ لازم ہے امید کا طلب اور طلب کسی ایسے سے نہ ہو کہ جو خالی ہاتھ لوٹا دے، اس مقام پر ثاقب لکھنوی مرحوم نے کہا تھا۔

دے صدائے دل مگر نقشِ قدم کو دیکھ کر
ایسے بھی در ہیں کبھی جن پر کوئی سائل نہ تھا

تو امید وہی ہے کہ جہاں انسان اپنی طلب کے لئے آگے بڑھے اور طلب اسی وقت ممکن ہے کہ جہاں انسان کو یقین آجائے کہ جس سے مانگ رہا ہوں اس میں صلاحیت بھی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کر رب سے بڑھ کر کون ہے جو یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے تاکہ رجاء معبودِ حقیقی سے ہو۔ طلب اسی کی بارگاہ سے ہو۔ سو آپ نے دیکھا یہ خوف ہے یہ رجا ہے کہ جہاں انسان اپنے آپ کو عارفین میں شامل کرتا ہے اور تیسری منزل حب خوف فرع علم ہے۔ رجاء فرع یقین ہے محبت فرع معرفت ہے۔ معرفت نہیں تو محبت نہیں۔ یقین نہیں تو امید نہیں علم نہیں تو خوفِ خدا نہیں تو یہ منزل ہے یقین کی کہ جہاں انسان اپنے آپ کو ایک ایسی راہ پر پاتا ہے کہ جہاں اگر یہ یقین مٹ جائے تو پھر سامنا ہے شک کا اور شک کی حالت یہ ہے کہ تماری ہے تردّد ہے، ہول ہے، فزار ہے، یہ چار باتیں ہیں تماری۔ یعنی بیکار

بے موقع بے محل گفت و شنید، شک اگر ہے تو باتیں ہی باتیں ہیں، دوسرے اگر شک ہے تو ہر آن ہول ہے۔ دیکھئے وہاں لفظ خوف، استعمال کیا یہاں لفظ ہول استعمال کیا۔ خوف کچھ اور ہے ہول کچھ اور ہے۔ محبت کی منزل پر خوف ہے۔ اور جہاں انسان اپنی جان کی حفاظت کے لئے دن رات پریشان ہو وہ ہول ہے۔ خوف نہیں۔ ہول سے بیماری ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ تردد ہے۔ آگے بڑھوں نہ بڑھوں پیچھے ہٹوں کہاں جاؤں؟ جہاں شک پیدا ہوا، تردد پیدا ہوا۔ جہاں تردد پیدا ہوا، نتیجہ یہ کہ حق کی راہ میں آگے بڑھنا ممکن نہیں بجز فرار کے۔ جہاں فرار پاؤ کہ سمجھو یقین مٹ گیا۔ جہاں حق سے فرار ہے سمجھو کہ یقین نہیں ہے۔ تو آپ نے جب ان منازل کو طے کیا۔ تو یقیناً آپ کو علم ہو چکا ہوگا کہ انبیاء کو اللہ نے یقین کی دولت عطا کی اور اس منزل پہ جو قابلِ ذکر دولت اور جس کو قرآن مجید نے بہت ہی خاص انداز میں ادا کیا۔ ہم نے ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کا HOL بتلایا۔ کنٹرول بتلا دیا۔ ارتباط بتلایا کائنات کا تعلق باہمی بتلایا اور یہ بتلایا کہ اس کا ارتباط و اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔ فقط اس لئے کہ ابراہیمؑ کے دل میں یقین پیدا ہو۔ نبی اولوالعزم، شیخ الانبیاء، صاحبِ شریعت و رسل نبوت و رسالت و امامت کی منزل پر فائز ہیں۔ جن کے لئے خطاب ان کے لئے ارشاد ہوا۔ ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان و زمین کے ملکوت دکھا دیئے۔ تاکہ وہ یقین کی منزل پر آجائے۔ یہاں یقین موت نہیں ہے۔ بلکہ قلب ابراہیمؑ میں وہ صحتِ روح پیدا ہو جائے کہ اندازہ ہو سب کا مالک تو وہی ہے۔ اب اگر نمرود یہ کہے کہ بہت بڑا مکان بناؤ چہار دیواری بناؤ۔ اس میں آگ بھر دو، اس کو آگ میں ڈال دو۔ تو یقین ابراہیم متزلزل نہیں ہوتا۔ جب کو یقین ہوتا ہے وہی آگ میں جلتا ہے۔

نمرود نے حکم دیا اس کو آگ میں ڈال دو اور پھر یہاں یقین کا یہ عالم کہ جہاں یہ کہا گیا کہ حقیقت میں یقین۔ جان قلیل آتش نشین ہے کہ وہ روحِ خلیل ہے آگ

میں بیٹھنے والا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں نے ملکوتِ سمٰوات و الارض کو دیکھا ہے۔

آگ اس نے جلائی ہے۔ کنٹرول اس کا ہے ہولڈ اس کا ہے آواز ادھر سے آتی ہے۔ تو یقین مثلِ خلیل آتش نشین ہے۔ اور یقین مثلِ خلیل آتش نشین یقین اللہ مستی، خود گزینی، ایک کیف ہے ایک مستی ہے ایک سرور ہے یقین میں جس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے یہ دولت دی ہے۔ کہ اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار۔ غلامی سے ہے بد تر بے یقینی۔

ظاہر ہے کہ وہ کون مسلمان ہے جس نے صبح سے شام تک ایک آدھ مرتبہ کسی سے یہ نہ سنا ہو اور جسے یہ آواز نہ پہنچائی جاتی ہو، اقبال کی ؎

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم

یقین محکم نہ ہو تو عمل کس کام کا، اس منزلِ یقین پر جب ابراہیمؑ کو وہ کمال عطا ہوا کہ آگ میں بیٹھ گئے اور ملوکت سماوات الارض کو دیکھ کر اس کا یقین کر لیا کہا جبرئیل ہٹ جاؤ میرا خالق تم سے بہتر جانتا ہے کہ وہ کب میری مدد کرے۔ رب نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ سلامت رکھ ابراہیمؑ کو! اب میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف اب وہی میری ہدایت کرے گا۔ ابراہیمؑ تمہارا رب کہاں نہیں ہے!" یہ تین منزلیں ہیں۔ آپ کی معرفت طلب لگا ہوں اور دلوں کے لئے یہ امور مزید روشنی پیدا کرتے ہیں۔ میں جا رہا ہوں رب کی طرف، یعنی جہاں ہوں وہیں ہوں۔ مگر سفر کمالِ انسانیت کی منازل طے کر رہا ہوں۔ خیر کمالِ بشر میں آگے بڑھ رہا ہوں، اور وہیں ہوں اب مجھے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قدم اٹھا کے رکھنا نہیں۔ بیٹھو اور سفر کرو اپنی جگہ پر رہو۔ اور ترقی کرو۔ پروردگار تیری طرف آ رہا ہوں۔ اب ایک بیٹا آتا ہے آپ فرماتے ہیں یقین کا عالم ہے یقین کی دولت ہے۔ ابراہیمؑ ضعیف ہے اور اولاد

نہیں ہے۔ ابراہیمؑ کی بیوی ضعیفہ ہے اور اولاد نہیں ہے مگر جانتے ہیں یقین اس پر ہے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر۔ ابراہیم اللہ کی طرف جانے میں اور بیٹے کے لئے دعا کرنے میں کیا ربط ہے؟ میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف۔ مجھے بیٹا تو عطا کر تا کہ میرے یقین کا اور بھی امتحان ہو جائے۔ اب اس منزل پر رکتا ہوں۔ امیر المومنین یقین کی تعریف فرماتے ہیں۔

اسلام تسلیم ہے۔ تسلیم یقین ہے۔ یقین نام ہے تصدیق کا تو اسلام نہیں ہے مگر تسلیم، تسلیم نہیں ہے مگر یقین۔ اور جہاں یقین آیا۔ تصدیق کی۔ جہاں یقین نہیں آیا تصدیق نہیں کی گئی۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ عقل کو جو بہترین دولت دی گئی ہے۔ وہ یقین کی دولت ہے۔ یعنی اس کا کام یہ ہے کہ عقل یقین کے ساتھ یہ پہچانے کہ اللہ پر سچ کون بول رہا ہے۔ اس کی تصدیق کرے اور اللہ پر جھوٹ کون بول رہا ہے اور تکذیب کرے۔ تصدیق و تکذیب عقل کا کام ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ یقین ہے۔ اسلام نہیں ہے مگر یقین، صبح سے شام تک کوئی لا الہ الا اللہ ہزاروں مرتبہ کہہ جائے مگر یقین نہ ہو تو ۔۔۔؟ اور صبح سے شام تک کوئی محمد الرسول اللہ کہہ جائے اور اگر یقین نہ ہو تو کیا ہو گا۔ ایک مرتبہ کوئی یقین سے کہہ دے تو وہ ہزاروں مرتبہ کی بے یقینی کے عالم سے بہتر ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا۔ عمل القلیل بالیقین، خیر من کثیر العمل بلا یقین، ذرا سا کام یقین کے ساتھ بہتر ہے۔ بہت سے کام جو بے یقینی کے عالم میں ادا ہوں۔ عبادت کرنے کا شوق اگر شک کے ساتھ ہے، بے یقینی کے ساتھ ہے تو اس سے تو یقین کے عالم میں سو جانا بہتر ہے۔ بے یقینی کی عبادت نہ تو اللہ کو پسند ہے۔ نہ فرشتے اسے قبول کر کے لے جاتے ہیں۔ نہ انبیاؑ کو یہ عبادت پسند ہے۔ ان کی امتوں کی کہ بے یقینی میں عبادت کی گئی۔ تسلیم یقین ہے تو مجھے ایک بیٹا عطا کر۔ وہ بیٹا عطا ہوا۔ جب یہ بچہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے

سے قابل ہو گیا تو کہا اے بیٹے میں دیکھ رہا ہوں خواب میں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تمہاری رائے بتلاؤ۔ باپ نے خواب کا ذکر کیا بیٹے سے رائے پوچھی، باپ ہو تو ایسا ہو، بیٹا ہو تو ایسا ہو۔ یہ ابراہیمؑ کے گھرانے کی دولت یقین کہ جہاں بیٹے نے بے اختیار کہا۔ بابا بجا لائیے کہ جو حکم آپ کو ملا ہے۔ بیٹے نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے خواب دیکھا ہے۔ بیٹا خواب کو حکم الٰہی سمجھ رہا ہے۔ کہتا ہے کہ انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ آپ حکم تو بجا لائیں۔ باپ کے یقین کا یہ عالم کہ خواب کو حکم الٰہی جانے اور بیٹا جس نے خواب نہ دیکھا۔ باپ کی زبان سے سن رہا ہے باپ پر اتنا یقین کہ میرا باپ غلطی نہیں کر سکتا ذبح کی منزل پر آتے۔ یہ وہ منزل تھی جب دونوں نے تسلیم کیا۔

"التسلیم ھو الیقین"

ہم نے آواز دی۔ ابراہیمؑ نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ہی صلہ دیتے ہیں یہ کھلا امتحان ہے ہم نے اسے ذبح عظیم سے بدل دیا ہے اور ہم نے چھوڑ دیا اسے آخر زمانے کے لیے۔ سلام ہو ہمارا ابراہیم پر۔ یہ یقین کی منزل ہے اس گھرانے سے اگر محمد عربی اس یقین کی دولت کو آگے لے کر بڑھتے ہیں اور اگر چھوٹے تو اسے یہ کہتے ہیں کہ تو مجھ سے ہے میں تجھ سے ہوں تو مجھے اس پے حیرانی نہیں کہ قرآن نے پہلے کہہ دیا تھا۔ ابراہیمؑ سے قرب رکھنے والا وہ جو ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔ یہ نبی پانچ ہزار برس کے بعد آتے ہیں اور ابراہیم کی میثیت میں جاتے ہیں۔ انسانوں میں سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو ایمان لاتے یا یہ نبی اور یہ نبی کہتا ہے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ دیکھا آپ نے یہ یقین نسلاً بعد نسلٍ آیا۔ اس گھرانے میں یقین آیا اب کیا ڈھونڈتے کہ ایمان کہاں تھا کہاں نہ تھا اسلام کہاں تھا کہاں نہ تھا۔ گھرانہ، یقین کا گھرانہ، صدق و عدالت کا گھرانہ

اور اس گھرانے کی کیفیت ہی یہ ہے کہ جہاں بے یقینوں کو یقین عطا ہو، اور اسی منزل پہ بے اختیار اقبال نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ کہا وہ انسان جو بے یقینوں کو یقین عطا کرتا ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس کے سجدے سے زمین کانپتی ہے۔ وہ لاالٰہ الا اللہ کی تلوار کے سائے میں جس کا خون بہے تو اس کے خون کی بوند سے آواز آئے لاالٰہ الا اللہ وہ حسینؑ ہے جو بے یقینوں کو یقین دیتا ہے۔ ۲۰ رجب کو مدینے سے نکلے، ۲۷ کا دن گزرنے کے بعد روضۂ رسول پر آئے، بڑے یقین سے اور بے اختیار کہا آسمان کی طرف سر اٹھا کر اور روضۂ رسولؐ کو ہاتھ میں تھام کر۔ پروردگار یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے۔ میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اب دیکھئے یقین کا عالم الٰہی وہ وقت آگیا ہے جس کا تجھ کو علم ہے۔ یہ یقین ہی کی منزل ہے ابن عباسؓ نے حسینؑ سے پوچھا "مولا کہاں جائیں؟" کہا "جاؤں گا عراق؟" کہا "مولا دشمن بہت ہیں، بچے ساتھ ہیں۔" فرمایا "ابن عباس حکم یہی ہے" عرض کیا "بہنوں کو تو چھوڑتے جایئے کہ کسی بی بی کا ہاتھ پردۂ محمل پر پڑا اور آواز آئی "ابن عباس کی بہن کو بھائی سے جدا کرتا ہے۔" ابن عباس نے مناسب نہ جانا آپ نے تسلی دی۔ "ابن عباس میرے نانا کا حکم ہے۔" اسماعیل اپنے پدر گرامی کا حکم لے رہے ہیں حسینؑ ابن علی کہتے ہیں نانا کا حکم ہے۔ "اللہ نے یہی چاہا ہے کہ تم اس کی راہ میں قتل ہو جاؤ۔ یقین کی منزل ہے، منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے تیسری شعبان کو چلے۔ مکہ معظمہ سے منزل ثعلبیہ پہ پہنچے۔ بیٹے نے آکر سلام کیا۔ بابا میں نے خواب دیکھا ہے۔ کیا دیکھا کہ آپ کا بایاں ہاتھ کٹا ہے دایاں ہاتھ کٹا ہے، آپ کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ کہا "بیٹے وہ قاسم ہیں جو قتل کئے جائیں گے، وہ عباس ہیں جو مارے جائیں گے، میرے اعزا قتل کئے جائیں گے، میں کربلا کی طرف جا رہا ہوں۔ آہستہ سے کہا "بابا وہ آپ کا سیدھا ہاتھ کون سا ہے؟ حسینؑ ابن علیؑ عماری سے کھڑے

ہو گئے۔ علی اکبرؑ کا ہاتھ تھاما دیرانے کی طرف چلے اور کہا "علی اکبر تمہاری ماں سن رہی ہے۔ علی اکبر آہستہ بولو۔ وہ تم ہو میرے لال" یقین کی منزل، تو بے اختیار کہا "بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" "ہم حق پر ہیں" کہا "جب ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت پر ڈر کیا ہے" وہ جس کو یقین کی منزل حاصل ہے وہ موت سے نہیں ڈرتا ہے تیر و سناں و خنجر و شمشیر نہیں ڈراتے، اس کو لشکروں کا ہجوم خائف نہیں کرتا۔ اس طرح سے میدان کربلا میں آئے۔ چوتھی سے لشکر پر لشکر آنے لگے حسینؑ کے خیمے دریا سے ہٹائے گئے، ساتویں سے پانی بند ہوا، آٹھویں اور نویں لشکروں کی کثرت کی وجہ سے حسین گھرتے چلے گئے۔ نویں محرم کو حسینؑ ابن علیؑ محصور ہو چکے تھے۔ اللہ! دسویں کا دن آیا قیامت کا دن تھا۔ ایک کے یقین نے ۷۲، کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا۔ اب سب یقین کے عالم میں آگے بڑھے، بھانجے گئے، بھتیجے گئے، اعزا گئے، احباب گئے، ۱۸ برس کا لال گیا ۳۲ برس کا بھائی گیا۔ اور اب میرا امام اکیلا ہو گیا سر سے پاؤں تک زخمی تھے۔ خیمہ میں آئے سب کو خدا حافظ کہا۔ عابدؑ بیمار کا ہاتھ تھام کر سورۂ حمد کی تلاوت کی۔ بیمار نے آنکھیں کھولیں پوچھا آپ زخمی ہیں، کیا چچا مارے گئے؟ کہا "بیٹا سب مارے گئے" کہا "مجھے اجازت ہے" کہا "نہیں نسل محمدؐ کو باقی رہنا ہے" خدا حافظ کہہ کر چلے، جاتے جاتے بہن سے اتنا کہا کہ عابدؑ بیمار کا تم خیال رکھنا، عابدؑ بیمار تمہارا خیال رکھیں گے۔ مگر زینبؑ بددعا نہ کرنا۔ یہ کہہ کر ایک مرتبہ خیمے کے قریب آئے۔ گھوڑے کو آواز دی کوئی ہے میری سواری کا لانے والا۔ گھوڑا اچھل کر آیا۔ بہن نے آگے بڑھ کر رکاب کو تھاما حسینؑ گھوڑے پر آگے بڑھے۔ خیمہ سے آگے بڑھے مگر گھوڑے نے چلنے سے انکار کر دیا۔ پوچھا تو گھوڑے نے گردن کو جھکا لیا۔ دیکھا تو گھوڑے کے پاؤں سے سکینہ لپٹی ہے۔ اس منزل پر بیٹی کو رخصت کیا کہا "سکینہ نہ رو جا بیٹی" رشتہ

میں پانی لا سکوں۔" تو صرف اتنا کہا "چچا عباسؑ بھی یہی کہہ کر گئے تھے۔" حسینؑ گئے کربلا کے میدان میں شام ہوتی گئی۔ سکینہ دروازے پر کھڑی رہی بابا شاید اب آئیں گے، اب آئیں گے، ہائے کوئی بیٹی اس طرح سے منتظر نہ ہو۔ شام ہو گئی۔ بابا نہ آئے۔ دوڑ کے پھوپھی کے پاس گئی "پھوپھی اماں بابا نہیں آئے۔" کہا "بیٹا بابا نہیں آئے۔ پھوپھی جاتی ہے۔" پھوپھی میدان میں آئی۔ ہر طرف آواز دیتی چلی "میرا بھائی کہاں ہے؟" ایک لاشے کے قریب پہنچ کر آواز آئی "ادھر آؤ۔ ادھر آؤ۔ بھائی کو خدا حافظ کہا بھائی نے کہا جاؤ اب خیمے میں جاؤ۔ خیمے سے باہر نہ آنا۔ انتہا تھی نہ شہادت حسینؑ امتحان تھا نہ قتل حسینؑ، اس کے بعد ضرورت کیا رہی تھی۔ لشکرِ شام نے کہا "دل تو ہمارا سیر ہو چکا، خیمے تو جل چکے۔ بچے طمانچے کھا چکے، بی بیاں لٹ چکیں اب اتنی اجازت اور دیں کہ قومِ عرب جس کو ذلیل کرتے ہیں اس کی لاش کو گھوڑے سے روندتے ہیں پامال کرتے ہیں۔ اجازت ملی۔ حرؑ کا قبیلہ سامنے آیا تلواریں کھینچ لیں کہا ہمارا سردار امیرِ قوم تھا بڑی ذلت کی بات ہے اگر اس کا لاشہ پامال ہو۔ ہم اس کی اجازت نہ دیں گے۔ کہا اچھا لے جاؤ ایک ایک قبیلہ آتا تھا۔ ایک ایک کی لاش کو اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ساری لاشیں اٹھ گئیں مگر کون تھا۔ وارث اس لاشہ کو اٹھانے والا۔ کربلا کے میدان میں۔

کلمۂ طیبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورۂ زخرف ع ۲۸) حضرت ابراہیمؑ کے لئے ارشاد ہوا کہ انہی کی اولاد میں ہمیشہ باقی رہنے والا کلمہ چھوڑ دیا تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ کلمہ باقیہ یعنی قیامت تک اولاد امام حسینؑ میں جو آئمہ ہوں گے ان کا ایک فرد باقی رہے گا۔

ہمارے عقائد سے عالم اسلام باخبر ہے۔ اور بعید دور آئمہ اہلبیتؑ غیبت صغریٰ ہی کے زمانے میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب کتابوں میں علمائے اسلام نے ہمارے عقائد کو جان کر ان سے واقفیت حاصل کر کے ان کا اختلاف کیا اور وہ مباحث پیدا کئے کہ جن مباحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو ہمارے پورے اصول کا علم تھا۔ اور ہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ ہمارے عقائد میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو چھپی ہوئی ہو کسی منزل پر کسی موقع پر عقائد کا کتابوں میں مکنون ہوتا یا چھپا ہوا رہنا ثابت نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص اپنی جان کے خطرے سے یا کسی اور مصیبت کی وجہ سے کسی مقام پر اپنے مکمل عقائد کا اظہار نہ کرے۔ لیکن ساری کتابوں

میں ہمارے پورے عقائد موجود ہیں۔ اور اس اعتبار سے اگر کوئی شخص عالم اسلام سے یہ کہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آٹھویں ربیع الاول کی تاریخ ہے تو میں سمجھوں گا کہ اسے یقیناً کوئی دھوکا ہوا ہے اور وہ اس دھوکے کو اپنے آپ پر قائم رکھنا چاہتا ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا اسلام سے تعلق ہو اور آٹھویں ربیع الاول کی تاریخ سے واقف نہ ہو۔ میں عوام کی بحث میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا ہوں اس واسطے کہ ظاہر ہے کہ عوام کو نہ رسالتمآبؐ کی تاریخ ولادت معلوم ہے اور نہ امیر المومنینؑ کی اور نہ ہی ان کی تاریخ وفات کا کوئی علم ہے نہ خلفائے کرام کی ولادت و وفات معلوم ہے اور نہ صحابۂ کرام کی ولادت و وفات معلوم ہے۔ آٹھویں ربیع الاول سے اگر عوام ناواقف ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن جو خواص ہیں جو صاحبانِ علم ہیں۔ اب سب کو ان تاریخوں کا علم ہے اور اس میں ایک حقیقت ہے کہ وہ ہستیاں جن سے یہ تاریخیں منسوب ہیں کوئی ایسی گمنام ہستیاں تو تھیں نہیں کہ ان کے متعلق تاریخ عالم چپ ہو جاتی یا مورخین خاموش ہو جاتے۔ بلکہ اس وقت جو کچھ لکھنا چاہتے تھا سب کچھ لکھا گیا تھا۔ ہماری حد تک صرف یہ امر ہے کہ مَا لِاَوَّلِنَا وَلِاٰخِرِنَا یہ ہمارا اصول ہے اور اصول کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ یہ اصل کی جمع ہے لیکن واحد بھی استعمال ہوتا ہے کہ ہمارے عقائد میں یہ اصول ہے مَا لِاَوَّلِنَا لِاٰخِرِنَا کہ جو چیز ہمارے اول کے لئے ثابت کی گئی ہے وہی ہمارے آخر کے لئے ثابت کی گئی ہے۔ اور اسی لئے زیارت جامعہ کے آخری ٹکڑے میں تلاوت کی گئی تھی جہاں آپ زیارتِ جامعہ پڑھتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ موالیت بہ آخرکم بما تولیت بہ اولکم کہ اے آلِ محمدؐ! ہم نے تمہارے آخر کی ولایت کو اس طرح تسلیم کیا ہے جس طرح تمہارے اول کی ولایت کو قبول کیا۔ پس وہ زیارتِ جامعہ جس کا اہم ٹکڑا یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اے آلِ محمدؐ! وبموالاتکم تمت الکلمۃ تمہاری ہی محبت کی وجہ سے کلمہ تمام ہوا

قرآن کہتا ہے کہ تمت الکلمۃ ربک صدقا وعدلا تیرے رب کا کلمہ صدق اور عدالت کے ساتھ ختم ہوا۔ آلِ محمد کی نص یہ ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں وبموالاتکم تمت الکلمۃ تمہاری محبت سے کلمہ تمام ہوا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ صداقت اور عدالت ہی اتمام کلمہ ہیں۔ آل محمدؐ کہتے ہیں کہ محبت آل محمدؐ اتمام کلمہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں محبت آل محمدؐ آجائے وہاں صداقت آجاتی ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ آٹھویں ربیع الاول پر گفتگو کرتے ہوئے ایک امر کو واضح کردوں کہ زیارت جامعہ کا کبھی آپ سے ناغہ نہ ہو علیکم بالجامعۃ علیکم بالجامعۃ برابر آواز آرہی ہے حضرت حجتؑ کی زبان سے اور خصوصیت کے ساتھ امام علیہ السلام نے زیارت جامعہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آپ مفاتیح الجنان کھول کر جب شروع کریں گے تو ان کے بعض جتنے واقعات ہیں وہ سب حضرت حجتؑ سے منسوب ہیں کہ جس میں زیارت جامعہ پر گفتگو ہے۔ وبموالاتکم تمت الکلمۃ وائتلفت الفرقۃ، تمہاری محبت کی وجہ سے کلمہ ختم ہوا۔ اور فراق ہوا۔ جدائی ختم ہوئی افتراق ضائع ہوا اور اختلاف دور ہوا۔ تمہاری مودت پر آپس میں دل مل گئے۔ تمہاری مودت پر سب آپس میں جمع ہو گئے۔ ہمارا اتحاد، ہمارا مل جانا، ہماری یگانگت ہماری یکجائی یہ سب کچھ تمہاری محبت و مودت پر منحصر ہے۔ وبموالاتکم علمنا اللہ معالم دیننا اور تمہاری مودت کی وجہ سے اللہ نے ہمیں ہمارے دین کے طریقے بتلائے ہمارے دین کے راستے بتلائے۔ تعلیم ملی۔ تمہاری مودت کی وجہ سے دین کی راہ پائی۔ وبموالاتکم علمنا اللہ معالم دیننا واصلح ما کان فسد من دنیانا اگر ہماری دنیا بگڑ گئی، ہماری دنیا میں فساد ہو گیا تو تمہاری مودت نے بڑھ کر ہمیں سنبھال لیا واصلح ما کان فسد من دنیانا اور اگر ہماری دنیا میں کوئی بات فاسد ہو گئی تو تمہاری محبت نے اس فساد کو ختم کیا۔ ہماری دنیا کو سنبھال لیا یعنی دین و دنیا کی رونق تمہاری محبت ہی کی وجہ سے ہے۔

دین و دنیا میں ہماری عزت تمہاری محبت کی ہی وجہ سے ہے۔ اسی وابستگی سے ہم جیتے ہیں۔ اسی وابستگی کی وجہ سے ہم زندہ اور باقی ہیں۔ اسی وابستگی سے دنیا کو اعتراض ہے۔ اسی وابستگی کی وجہ سے دنیا حسد کرتی ہے۔ دنیا نے فقط آل ابراہیمؑ نے حسد نہیں کیا بلکہ دنیا نے آل ابراہیمؑ کے دوستوں سے بھی حسد کیا ہے۔ دنیا نے فقط آل ابراہیمؑ پر ظلم نہیں کیا بلکہ دنیا نے آل ابراہیمؑ کے دوستوں پر بھی ظلم کیا ہے۔ محبت کرنے والے فقط زبانی دعویٰ نہ کریں۔ بلکہ ان مصائب کے لیے بھی تیار ہو جائیں جو آل ابراہیمؑ پر پڑتے رہتے ہیں۔ اسی لیے امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے کہ من احبنا اھل البیت فلیستعد للفقر۔ جو آل محمدؐ کو دوست رکھیں، جو آل محمدؐ کے اہل بیت کو دوست رکھیں وہ فقر و فاقہ کے لیے ایک چادر بھی تیار کرلیں۔ اور فقر و فاقہ کے لیے تیار ہو جائیں کہ معلوم نہیں کب مصیبت آپڑے۔ معلوم نہیں کب آسمان ٹوٹ پڑے، معلوم نہیں کب زمین پھٹ پڑے یہ اشارے ہیں۔ یہ کنائے ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش کیجیے جو آل محمدؐ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ مصیبت کو برداشت کرنے کے لیے بھی تیار رہے۔ یہ نہ سمجھتا رہے کہ دنیا اس کا اسی طرح ساتھ دے گی جیسا کہ جاگیرداروں کا دنیا نے ساتھ دیا ہے۔ جیسا کہ مستعد انسانوں کا دنیا نے ساتھ دیا ہے۔ جو مظلوم کا ہمدرد ہوتا ہے۔ دنیا اس کا اکثر ساتھ نہیں دیتی ہے۔ اب جو یہ جملہ وبموالاتکم اصلح ما کان فسد من دنیانا تمہاری محبت کی وجہ سے جو دنیا ہماری فاسد ہو گئی تھی اس میں اصلاح ہو گئی ہے۔ جو دنیا ہماری برباد ہو گئی تھی وہ بچ گئی ہے۔ اس کو سمجھ لیجیے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ نے ہم کو اس دنیا کی دولت عطا کی ہے۔ بلکہ آپ کی محبت نے ہماری دنیا کو اس طرف صرف کروایا کہ دنیا ہماری مزرعۂ آخرت بن گئی۔ یہ دنیا ہماری آخرت کی کھیتی بن گئی۔ یہ دنیا ہماری باقیات

وصالحات بن گئی۔ مال ملا، آلِ محمدؐ کی محبت میں خرچ ہو گیا۔ اولادِ علیؑ آلِ محمدؐ کی خدمت کے لئے نذر ہو گئی المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا والباقیات الصالحات یہ سچ ہے کہ مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے مگر جب آلِ محمدؐ کا تصرف ہوتا ہے قلبِ انسانی پر تو مال بھی باقیات وصالحات بن جاتا ہے۔ اولاد بھی باقیات وصالحات بن جاتی ہے اور یہ باقی رہنے والی نیکیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کام میں آتی ہیں۔ دنیا نہ رہے تو پھر آخرت میں سوال کاہے کا ہے۔ دنیا نہ ہو تو پھر آخرت میں گفتگو کاہے کی ہے۔ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ اے دنیا کی مذمت کرنے والے ! ابھی تو نے دنیا کو نہیں پہچانا۔ الدنیا متجر اولیاء اللہ کہ دنیا دوستانِ خدا کے لئے تجارت کی منڈی ہے کہ جہاں انسان سودا کرتا ہے۔ جہاں انسان بازار میں جا کر اپنی جنسِ حیات کو بیچتا ہے۔ اور جنسِ محبت کو خریدتا ہے۔ جہاں سے آلِ محمدؐ کے موالات کو خریدتا ہے۔ یہی وہ منڈی ہے یہی وہ تجارت گاہ ہے کہ جہاں پہلوں نے سبقت کی۔ اور جن کے لئے قرآن نے گواہی دی ومن الناس من یشری کون ہے انسانوں میں جو اپنے نفس کو بیچ کر مرضیِ الٰہی خریدے۔ اس تجارت میں پہلے کامیاب خدا تھے۔ جنہوں نے سبقت کی اور اپنی حیات کو دے کر مولا کی مرضی کو خرید لیا۔ ہمارے لئے کوئی ایسا موقف نہیں ہے اس لئے ہم حیات کو بیچ کر ان کی مودت کو لے لیتے ہیں۔ جنہوں نے مرضیِ مولا کو خریدا تھا اب ان کی مودت کو ہم لے لیتے ہیں تاکہ صحیح معنوں میں یہ مودت بہترین سودا بن جائے۔

میرے محترم بزرگو۔ آٹھویں ربیع الاول کے معنی یہ ہیں کہ پہلی محرم سے جس غم کا آغاز ہوا تھا وہ آج ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہم تھک گئے ہیں اس لئے کہ یہ سیرتِ آلِ محمدؐ ہے کہ ۶۶ھ میں کامل پانچ برس کے بعد جب مختار نے قاتلوں کے سر محمد حنفیہ کے پاس بھیجے۔ میرے ان لفظوں پر غور کیجئے اور ان

ناموں کا خیال کیجئے۔ محمد حنیفہ کے پاس جب قاتلوں کے سر پہنچے اور محمد حنیفہ نے عابدؑ بیمار کو اطلاع دی کہ فرزند رسولؐ یہ سر آئے ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ سید زادیاں آج اپنا سوگ تمام کریں تو اس کی یاد اس لئے آٹھویں ربیع الاول کو منائی جاتی ہے۔ آج کی تاریخ یعنی آٹھویں ربیع الاول الم وغم وہم کی سیرت آئمہ کے اعتبار سے ہے۔ اور نویں کی حد تک۔ نویں کی بات آپ کے علم میں ہے اس کا تذکرہ پھر کسی وقت کروں گا۔ جب میں اس کے متعلق گفتگو کروں گا تو زمانے کے امام حضرت حجت کی تخت نشینی اور تاج پوشی کے عنوان پر، کہ یہ شب ہمارے لئے کتنی اہم ہے کل کا دن ہمارے لئے کتنا اہم ہے۔ تاریخ اسلام کو اس سے کیا تعلق ہے کس طرح سے ہماری زندگی ہونی چاہیئے۔ بہرحال آج کی حد تک یہ ہے کہ آج غم کا آخری دن ہے۔ اور آج کی تاریخ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب ہے۔ امام حسن عسکری سے متعلق ایک بات کا خیال رکھیں کہ ہفتہ کا پنجشنبہ امام حسن عسکریؑ کا دن ہے اور جمعہ امام زمانہؑ سے منسوب ہے۔ پنجشنبہ کو امام حسن عسکریؑ کی زیارت کو آئمہ نے ضروری خیال فرمایا ہے۔ زیارت کی صرف دو سطریں ہیں آپ کو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے جب پنجشنبہ ہو امام حسن عسکری کو یاد کر لینا ضروری ہے اس لئے کہ امام حسن عسکری کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ صرف اٹھائیس برس کا سن ہے چھ برس معرفت امامت اور چھ برس قید۔ احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے یہ ہمارا اصول کافی اور فروع کافی کا مشہور راوی ہے۔ وہ ابو محمد سے روایت کرتا ہے جس کی کنیت آپ کو معلوم ہے۔ ابو محمد دو معصومین کی کنیت ہے۔ حسنؑ مجتبیٰ اور حسنؑ عسکری کی ہے۔ یہ بھی حسنؑ ابن علیؑ ہیں وہ بھی حسنؑ ابن علیؑ ہیں۔ ان کا نام حسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے اور ان کا نام حسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ ہے۔ ان کی کنیت ابو محمدؑ ہے۔ ان کی کنیت بھی ابو محمدؑ ہے۔ لیکن فقہ کی کتابوں میں جب

لفظا ابو محمدؑ آئے تو مطلق حسن عسکری مراد ہیں اس واسطے کہ اگر امام حسنؑ سے کوئی روایت ہو تو ہمارا راوی یہی کہے گا کہ عن حسنؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب وہاں کنیت استعمال نہیں ہوگی۔ اس طرح سے کہ جیسے اگر روایت میں کہا جائے کہ ابی الحسن تو آپ امیر المومنین قطعاً خیال نہ کریں۔ اگرچہ امیر المومنین کی کنیت ابوالحسن ہے۔ لیکن فقہ کی کتابیں امام موسیٰ کاظم، امام علی رضاؑ اور امام علی نقی سے اس کنیت کو منسوب کرتی ہیں۔ امام موسیٰ کاظم ابوالحسن اول ہیں، امام علی رضاؑ ابوالحسن ثانی اور امام علی نقی ابوالحسن ثالث ہیں فقہ کی کتابوں میں ہمیشہ آپ کو اس کی تشریح ملے گی کہ عن ابوالحسن اول، عن ابوالحسن ثانی، عن ابوالحسن ثالث تو ابو محمدؑ امام حسن عسکری کی کنیت ہے اور مطلقاً ان کے لئے ہی ہے۔ احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ میں سرمن راتے پہنچا اور میں نے بڑی کوشش کی اور زندان بان کو میں نے انعام کا لالچ دیا اور خواہش کی کہ میں کسی صورت سے امامؑ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ نصف شب کے بعد آنا۔ احمد بن اسحاق کہتا ہے کہ آدھی رات گذرنے کے بعد میں وہاں پہنچا تو اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے امام کے کمرے تک پہنچا دیا۔ احمد بن اسحاق کہتا ہے کہ امامؑ پر نظر پڑنے سے پہلے میں کمرے کو دیکھ کر ڈر پڑا کہ وہ اس قسم کا کمرہ تھا کہ اس میں ایک آدمی بمشکل تمام کھڑا ہو سکتا تھا۔ احمد بن اسحاق نے زندان بان سے پوچھا کہ یہ کمرہ کیسا ہے یہ جگہ کیسی ہے۔ کہا کہ یہ کمرہ نہیں ہے یہ کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ سامرہ کے تاجداروں نے بنو عباس نے اپنے محل کے نیچے یہ تھوڑی دیر کھڑے ہونے کے واسطے کمرہ بنایا ہے۔ یہ دریا سے متصل ہے اگر کوئی اوپر سے حملہ کر دے تو بادشاہ تھوڑی دیر سستا لے اور اسی راستے سے کشتی میں سوار ہو کر جلدی سے یہاں سے نکل جائے۔ یہ رہنے کا مقام نہیں ہے۔ ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ جہاں

آدمی بمشکل کھڑا ہو سکتا ہے وہاں چھ برس تک امام قید رہے ان امور کو یاد رکھئے دنیا سے لاکھوں انسان مرجاتے ہیں جن کی عمر اٹھائیس سال ہوتی ہے ہم کو مدت نہیں رلاتی کہ وہ اٹھائیس برس سے سن میں مر گئے بلکہ اس لیے روتے ہیں کہ وہ شقاوت جو ان کے لیے روا رکھی گئی، وہ ظلم جو ان کے لیے جائز رکھا گیا، وہ ستم جو ان پر ڈھائے گئے، وہ مصیبتیں جو ان پر توڑ دی گئیں اگر وہ بیان میں آگئیں تو میں سمجھتا ہوا کہ جو اس ذکر سے گریہ نہ کرے گا شاید وہ شقی ہوگا ورنہ تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے چھ برس تک کس طرح شقاوت کو گوارا کیا۔

احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے گفتگو کی تو آواز میں نقاہت تھی اور مجھے بہت ہی توجہ کے ساتھ سننا پڑتا تھا۔ میں نے عرض کی فرزند ان رسولؐ! علاج معالجے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ایک مرتبہ صورت دیکھی اور فرمایا، ابن اسحاق کئی مرتبہ زہر دیا جا چکا ہے۔

ہم پر امام حسن عسکریؑ کا احسان ہے کہ ہمارے اصول کا معائنہ کیا ہماری ساری کتابوں کو پڑھا۔ ہماری ساری تفسیروں کو پڑھا۔ جہاں جہاں کمی تھی علماء کو بلا کر سمجھا دیا کہ اس کمی کی تکمیل کرو۔ جہاں جہاں مسائل تشنہ رہ گئے تھے ان کو مکمل کر دیا۔ باب الدیات کو مکمل کیا۔ باب المیراث کو مکمل فرمایا، باب الطلاق باب الرضاعۃ کو مکمل فرمایا۔ جب فقہاء کہتے کہ فرزند رسولؐ! یہ مسئلہ باقی رہ گیا ہے تو فرماتے لکھ لو۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ یہ دور تدوین ہے یعنی جب فقہ کو مکمل کر دیا اور جب یہ جان لیا کہ اب میرے دوستوں کو قیامت تک کوئی تکلیف نہیں ہوگی قیامت تک کوئی کمی نہ ہوگی تو اس وقت فرمایا من کان فی علماء منا مخالفا لھواہ مطیعاً لامر مولا فلعوام ان یقلد وہ کہ جب ہمارے علماء اپنے ہوا و ہوس کے

مخالفت کریں اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کریں۔ پس اس وقت عوام کے لئے لازم ہے کہ ایسے علماء کی تقلید کریں۔ تو یہاں علماء کی تقلید کو کھول دیا۔ باب اجتہاد کو کھول دیا۔ تدوین کو مکمل کر دیا اس کے بعد جب یہ دیکھا کہ ستم پر ستم ڈھاتے جا رہے ہیں تو اسی کی مرضی سے غیبت صغریٰ کا حکم دیا کہ جس کا نتیجہ غیبت کبریٰ ہے۔

یہ ہے وہ مختصر سی تاریخ کہ جس کا جاننا آپ سب پر لازم ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے سنگین قید خانے میں آپ نے علماء سے پوچھا فضل بن شہزان کی کتنی کتابیں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ایک سو اسّی کتابیں ہیں اصول شیعہ پر۔ فرمایا سب کی سب کتابیں حاضر کرو۔ جب ایک سو اسّی کتابیں آگئیں تو ان کو شروع سے آخر تک پڑھ کر اس کے آخر میں دستخط فرما دیئے اور کہا کہ خدا فضل کرے فضل بن شہزان پر۔ یہ فقرہ تین مرتبہ فرمایا اور فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو اجازت دیتا ہوں کہ ان کتابوں پر اپنے احکام کو منحصر کر دیں اور استنباطِ احکام کے لئے ان اصول سے مدد لیں۔ آپ ہی سے تفسیر مروی ہے۔ آپ ہی سے وہ تمام روایات مروی ہیں۔ جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ کوئی خیال نہ کرے کہ امام حسن عسکریؑ کا کبھی تذکرہ نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نصوص قطعی کی بنا پر مجبور ہیں فقط ذکر حسینؑ اور ذکر علیؑ کے لئے۔ یہ پھر کبھی عرض کروں گا کہ اس کی مصلحت کیا ہے فقط اس واسطے کہ اگر عالم اسلام ان دونوں پر متفق ہو جائے تو بارہ پر متفق ہو جائے گا۔ اس لئے حکم دیا کہ ان دو کے تذکرے کو جاری رکھو زینوا مجالسکم بذکر علیؑ۔ یہ نص قطعی ہے دوسری نص قطعی امام رضاؑ کی ہے یا ابن شبیب ان کنت باکیاً علی شیءٍ فابکِ علی جدنا۔ اے شبیب! اگر تجھ کو کسی بات پر رونا آئے تو ہمارے جد غریب پر رو رو پر روئے۔ ان ہی دو نص قطعی کی بنا پر کبھی علیؑ کا تذکرہ کرتے ہیں کبھی حسینؑ کا ذکر کرتے ہیں۔ ورنہ امام حسن عسکریؑ کا ذکر بھی یہی منزلت رکھتی ہے یہی مقام رکھتا ہے "اولنا محمد اوسطنا محمد آخرنا محمد" جو ہمارے

اول کے لئے ثابت ہے وہی ہمارے آخر کے لئے بھی ثابت ہے۔ گفتگو کو ختم ہونا چاہئے۔ آٹھویں ربیع الاول کی صبح آئی تو تاریخ اسلام بتاتی ہے شاید جمعہ کی صبح تھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا۔ نماز صبح سے فارغ ہوتے تھے۔ جمعہ حضرت حجت کے لئے اور پنجشنبہ امام حسن عسکری کے لئے مخصوص ہے۔ جمعہ کی صبح ابھی طالع نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے اپنے فرزند کو طلب کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامرہ کے قیام خانے میں کل تین آدمی تھے یا امام حسن عسکری تھے، یا پانچ برس کا صاحبزادہ تھا یا ایک کنیز تھی۔ اس کے علاوہ پتہ نہیں چلتا وطن دور، مدینہ دور، جد کا روضہ بہت دور۔ بار بار اپنے جد کو سلام کرتے اور کہتے اَلسَّلامُ عَلَیْكَ یَا رَسُولَ اللہِ السَّلامُ عَلَیْكَ یَا جَدَّاہ حضرت حجتؑ کو بلایا، اسرار امامت سپرد کئے اور ایک ایسے عالم میں جذدگیٔ الہیہ میں مصروف ہو گئے۔ غلام خاص کا قول بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امامؑ کے چہرے پر کبھی سرخی دوڑتی تھی کبھی سبزی آجاتی تھی اور کبھی زردی طاری ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زہر بڑی تیزی کے ساتھ اثر کر رہا ہے پائے اقدس متورم ہو چکے تھے۔ ہاتھ میں شدید رعشہ تھا۔

جام آب طلب کیا مگر رعشہ کی وجہ سے پانی لبوں تک نہ جا سکا۔ پانچ برس کے صاحبزادے سے فرمایا بیٹا! تم اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ کو پانی پلا دو آخری مرتبہ ہماری یہ خواہش ہے۔ تاریخ آئمہ میں یہ واحد مثال ہے کہ اس طرح کی تنہائی ہو اور پھر اکیلا یہ صاحبزادہ ساتھ ہو اور اس صاحبزادے کو یہ یقین ہو کر میرا باپ مجھ سے جدا ہو رہا ہے مجھے معلوم ہے کہ جب امام رضاؑ سفر کے لئے جا رہے تھے تو امام تقیؑ جواد کا سن چھ برس کا تھا جب تقیؑ جواد کو اس کا علم ہو گیا کہ میرا باپ طواف کعبہ کر چکا ہے اور گھوڑے پر سوار ہو رہا ہے تو امام تقیؑ جواد مٹی پر بیٹھ گئے اور مٹیؑ کو اپنے سر پر ڈالنا شروع کیا۔ امام رضاؑ کی نظر پڑی تو کہا بیٹا یہ کیا کر رہے ہو۔ عرض کی بابا جان جس

کہ اپنے یتیم ہو جانے کا اظہار وہ کیا کرے۔

یہ اور واقعہ ہے کہ اس کمسن صاحبزادے کو دیکھنے معلوم ہے ارباب دنیا سے جا رہا ہے مگر راوی بیان کرتا ہے کہ کمال صبر کی تصویر تھے حضرت نے اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو پانی پلایا۔ اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو وضو کرایا۔ احکام واجب وضو ادا کئے۔ اپنے ہاتھ سے اپنے پدر گرامی کا مسح کیا۔ اب اس کے بعد اپنے پدر گرامی کو بلند بٹھایا، نماز میں مصروف ہو گئے تو غلام بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا حضرت نے زمین کے اوپر سجدہ کیا اور اسی سجدے کی حالت میں یہ آواز دی یا غیاث المستغیثین۔ امام حسن عسکری کی یہ عجیب روداد ہے۔ بہر حال مجھے اور آگے جانا ہے تا کہ آپ پر واضح کر دوں کہ میں آپ کو کیوں زحمت دے رہا ہوں۔

ایک مرتبہ نماز سے فارغ ہو کر آواز دی یا اپنے بیٹے کا نام لیا۔ وہ نام کہ جس کو بغیر مکمل تعظیم کے نہیں لے سکتے، بیٹے کا نام لیا اور کہا دیکھو تمہارا باپ تم سے رخصت ہو رہا ہے تم چلے جاؤ۔ دیکھو بیٹا! قبل اس کے کہ کوئی تم کو دیکھے چلے جاؤ۔

راوی کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ امام بار بار کہہ رہے تھے کہ چلے جاؤ لیکن امام جانا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ صاحبزادہ ایک قدم آگے بڑھا اور بولا میرے بابا جان کہاں ہیں۔ حسن عسکری کہاں ہیں راوی نے کہا کہ حسن عسکری دنیا سے چلے گئے تھے۔ کہا بلاؤ عثمان کو، عثمان سامنے آئے، چادر کو ہٹا کر کہا کہ دیکھو ان پر کوئی آثار زہر کے نہیں ہیں نزاعت کے نشانات نہیں ہیں، ان کو زہر نہیں دیا گیا۔ اعلان کر دو، اور اس کے بعد حکم دیا کہ میرے سامنے ان کی لاش باہر لائی جائے۔ چھ برس کے بعد امام حسن عسکری کا جنازہ باہر لایا گیا۔ اب تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ جونہی جنازہ باہر آیا، سر من رائے میں ایک آواز آئی یا ابن الائمۃ خدا، اے رضا کے بیٹے ابن الرضا۔ اہل سامرہ امام کو اس طرح پکارتے تھے۔ جب لاش باہر نکلی، بازار میں

گئے۔ تمام علماء جمع ہو گئے۔ سارے لشکر جمع ہو گئے سارے عسکر جمع ہو گئے تمام سامرہ کے مسلمان جمع ہو گئے۔ بغداد کو اطلاع ملی بغداد کے لوگ آ گئے۔ راوی کہتا ہے کہ آئمہ میں سے کسی کی لاش اس شان سے نہیں اٹھی۔ پورا سامرہ لاش کے ساتھ مشایعت جنازہ میں اس طرح سے آگے بڑھا کہ ساری دنیا کو حیرانی ہے۔ معتمد آگے آگے وزرا اس کے ساتھ ساتھ، علماء پیچھے پیچھے پورا شہر ساری دکانیں بند بغداد کی پوری خلقت آئی، اس طرح گیارہویں امام دفن ہوئے امام علی نقیؑ کے پہلو میں۔

واقعہ کو صدیاں گزر گئیں۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ایک مرتبہ بنی عباس کے آخری دور میں آخری بادشاہ سامرہ کی سیر کو چلا۔ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکری کے روضے پر پہنچا۔ پوچھا یہ کس کی قبر ہے لوگوں نے کہا یہ امام علی نقیؑ کی قبر ہے۔ یہ شیعوں کا دسواں امام ہے اور یہ شیعوں کا گیارھواں امام ہے۔ اندر گیا۔ زیارت کی اور زیارت کر کے دیر تک قبر کو دیکھتا رہا اس کے بعد واپس گیا۔ لوگوں سے کہا کہ امیرا! آپ یہاں تک جب آتے ہیں آپ کے دادا کی قبریں بھی یہاں موجود ہیں یہیں پر تو کل دفن ہیں۔ یہیں معتمد دفن ہیں۔ یہیں معتمد کا بیٹا دفن ہے یہیں متوکل کا باپ دفن ہے۔ کہا چل کے دیکھ تو لیجئے وہ چلا۔ پیچھے پیچھے دیکھا تو کھلا میدان ہے اجڑی ہوئی قبریں ہیں جانور لوٹ رہے ہیں۔ کوئی اس طرف جاتا نہیں مٹی کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں اس نے خاموشی سے ان قبروں کو دیکھا۔ وزیر نے کہا اب آپ تخت حکومت پر ہیں یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں۔ وہ محمدؐ کے پوتوں کی قبریں ہیں معلوم نہیں کہ دنیا نے جن پر ظلم کئے ان کی قبریں بن رہی ہیں اور دنیا میں جنہوں نے حکومت کی آج وہ اجڑی ہوئی حالت میں ہیں۔ تو یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں۔ یہ مناسب نہیں کہ آپ کی حکومت کا اقتدار ہے اور آپ کا بیت المال ہے

اپنے آباؤ اجداد کی قبریں تیار کریں اور ان کے روضے تیار کریں۔

راوی بیان کرتا ہے مجوزیر ہے کہ اب تک مسیح ہے وہ بڑے سکون و وقار کے ساتھ خاموش کھڑا تھا۔ جب یہ جملہ ختم ہوا تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ کہا کہ تو کیوں پوچھتا ہے ان باتوں کو۔ اس لیے کہ خدا نے ہمارے آباؤ اجداد کو ذلیل ہونے کے لیے پیدا کیا تھا۔ اور آل محمدؐ کو عظمت کے لیے پیدا کیا تھا۔ یہ دنیا کے خزانے صرف کردیں یہ قبریں آباد نہیں ہوں گی۔ دنیا کی دولتیں لگادیں یہ روضے انہیں کے بنتے ہیں جن کو خدا عظمت دیتا ہے اور ان کو دنیا سلام کرتی ہے تو یہ روضے نہیں بن سکتے۔ جن کو خدا نے قابل سلام بنادیا ہے ان کے روضے بنتے ہیں۔

یہ جملے آپ کی خدمت میں عرض کردیئے گئے۔ تاریخ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اگر یہ اہم واقعہ آنے والی کسی تقریر سے شاید مربوط ہوجائے مگر یہ بڑی کام کی بات ہے کہ بادشاہ کا یہ کہنا کہ اگر میں سارا بیت المال بھی اپنے آباؤ اجداد کی قبریں بنانے میں صرف کردوں تو وہ قبریں کبھی آباد نہ ہوسکیں گی جن کو خداوندِ عالم آبادی دے، جن کو خداوندِ عالم عظمت وعزت دے ان کی قبریں اسی قابل ہوتی ہیں۔ جن پر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک سلام کرنے والے سلام کرتے ہیں۔ ہم بھی آج اپنے امام کو بڑی دور سے سلام کرنا چاہتے ہیں۔ سلام ہو فرزندانِ رسولؐ! اے امام حسن عسکریؑ آپ پر سلام ہو۔ اس لیے سلام کہ آپ ہمارے دین کے حاکم ہیں اور اس لیے سلام کہ جس کا دور ہے یہ لازم ہے کہ اس کے لیے تعزیت کی جائے۔ تعزیت بھی ہو جس کا دور ہے۔ یہ حجتؑ کا دور ہے۔ اس لیے رسمِ تعزیت بھی مکمل ہو کے زمانے کے امامؑ! اللہ آپ کو صبر دے۔ آپ کے پدرگرامی کے غم میں پہلی محرم سے مجوزکر شروع ہوا تھا وہ اب ختم ہوچکا ہے حضرت

حجتؑ اگر اجازت دیں، اس لئے کہ میں ان کو حاضر ناظر سمجھتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں وہ مصلحت سمجھتے ہیں وہاں موجود رہیں اگر وہ اجازت دیں تو میں ان کی بارگاہ میں سلام اور بندگی کے بعد عرض کروں کہ یوں مولا! اگرچہ آپ کے پدرِ گرامی کا ماتم ہے اگرچہ آپ کے پدر گرامی کے ماتم کا دن ہے۔ لیکن آپ ہی کی نفوس کی موجودگی میں اس غم کو ختم ہونا چاہئے۔ ذکر حسین کو ختم ہونا ہے کہ پہلی محرم سے جس غم کو شروع کیا تھا آٹھویں ربیع الاول کو اس غم کو ختم ہونا ہے۔ تو پھر یہیں سے میں عرض کروں کہ مولا! یہ نامناسب نہ ہوگا کہ امام حسن عسکری باوجود غربت باوجود مصیبت، باوجود قید، باوجود درد و آلام کی طمانیت تھی امام کو ایک سکون تھا، امام کو اطمینان یہ تھا کہ اگرچہ میں تنہا ہوں لیکن اس وقت میرا ایک بچہ تو ہے۔ اس وقت میرا ایک بچہ میرے ساتھ ہے۔ اگرچہ کمسن سہی مگر جو اتنی طاقت رکھتا ہے کہ دشمن آئے تو پردے میں چلا جائے۔ دشمن پا نہ سکے۔ بڑی توجہ سے سنیئے! یہ سکون ہے قلبِ امام یازدہم کو کہ میرے بعد میرے بچے کو کوئی تکلیف نہیں دے سکتا میرے بعد میرے بچے کو کوئی طمانچہ نہیں مار سکتا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا! میں اپنی تقریر کو یہیں ختم کرنا چاہتا ہوں اور حضرت حجتؑ ہی سے اجازت لے کر ختم کرتا ہوں کہ فرزندِ رسول! یہ مقدر ہو چکا تھا کہ آپ کو معتمد نہ دیکھے۔ یہ مقدر عطیہ الہیٰ تھا کہ کوئی لشکر والا، کوئی دنیا کا انسان کوئی دنیا کی طاقت آپ کو پردے سے باہر نہ لاسکے۔ اگرچہ آپ کا سن پانچ برس کا تھا مگر جانے والا باپ اس بات کا یقین رکھتا تھا کہ میں مطمئن ہوں۔ میں تو جا رہا ہوں میرے بچے کو کوئی دکھ نہیں دے سکے۔ میرے بچے کو اب کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ دو جملوں کی اجازت دیجئے کہ ہائے حسینؑ! اب نہیں معلوم کہ میرے لئے کون سا واقعہ قابلِ ذکر رہ جاتا ہے۔ عزیز! چاہتا یہی ہوں کہ جب آپ غم کو ختم کریں کسی ایسے واقعہ پر آکر غم کو ختم کرو۔ شاید حسینؑ

ابن علی روضہ پر رہتے ہوں تو بے چین ہو جائیں۔ ہاں! فرزند رسول! یہ عجیب واقعہ ہے کہ آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے۔ آخری منزل تھی بہتوں کو رخصت کر چکے تھے۔ عباسؑ نہ تھے علی اکبرؑ نہ تھے۔ عونؑ و محمدؑ نہ تھے۔ قاسمؑ نہ تھے۔ کوئی یارو ناصر نہ تھا۔ ہاں آپ اکیلے تھے۔ یمین کو دیکھا یسار کو دیکھا انظر یمینا و شمالاً۔ داہنی جانب کو دیکھا، بائیں جانب کو دیکھا جب دیکھا کوئی نہیں ہے تو کہا ذوالجناح چل یہ آخری سواری ہے۔ جونہی ذوالجناح نے ارادہ کیا ایک مرتبہ گھوڑا رک گیا پوچھا کیوں چلتے نہیں۔ کہا مولا! یہ دیکھئے آپ نے دیکھا تین برس کی بچی گھوڑے سے لپٹ گئی آپ گھبرائیں نہیں آپ پریشان نہ ہوں آپ حیران نہ ہوں یہ ہماری آخری مجلس ہے۔ یہ ہمارا آخری غم ہے۔ اس کے بعد پھر ہماری محافل ہیں۔ پھر ہمارے جشن ہیں۔ سیرت کے جلسے ہیں۔ محفل و میلاد ہیں۔ ہم پھر سب کے ساتھ ہیں لیکن آج غم کا خاتمہ ہے۔ اس لئے تمنا کے ساتھ کہ اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو مکمل ہو جائے یہ دو چار جملے سنئے کہ حسینؑ گھوڑے سے اترے۔ بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔ کیوں سکینہؑ تم کیا ارادہ ہے۔ عرض کیا بابا جان! کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا میں وہاں جا رہا ہوں جہاں جا کر مسافر واپس نہیں آتے۔ سکینہؑ نے عرض کیا بابا! ہم کو اپنے نانا کے روضے پر پہنچا دیجئے۔ ارشاد فرمایا سکینہ! پہنچا تا ضرور مگر کیا کروں بیٹی راستے بند ہیں۔ سکینہ نے کہا بابا! اگر اجازت نہیں ہے تو تھوڑی دیر رک جائیں۔ ارشاد فرمایا سکینہ کیا چاہتی ہو۔ کہا بابا! جاتے۔ امام بار بار پوچھتا ہے سکینہ چلی جاؤ۔ بچی سینے سے لپٹ گئی تھوڑی دیر بچی سوئی اس کے بعد کھڑی ہوگئی اور کہا بابا! خدا حافظ فرمایا سکینہؑ! سینے پر سو کر کیوں اٹھ پڑی۔ کہا بابا! میں سوتی تھی خواب میں دادی آئیں تھیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھی سکینہؑ! حسینؑ کو نہ روکو جانے دو عصر قریب ہے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین من یومنا ھذا الی یوم الدین

ذکرِ حسینؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳۷۱ھ کا آغاز ہمارے قمری سال کی ابتدا و بہار و خزاں کی پابند نہیں یعنی توحید کے پرستار موسم پرست نہیں کہ ان کی عید صرف بہار میں آئے تاکہ ہر عید میں سامانِ بہار ہوتا ہے۔ ہمارے لئے کبھی چلچلاتی دھوپ کے روزے ہیں تو کبھی کڑکڑاتے جاڑے کی سحر۔ تپتے ریگستان کی قیامت خیز لو کبھی حاجیوں کا استقبال کرتی ہے تو کبھی بادِ شمال کے کلیجہ ہلا دینے والے سرد جھونکے صفا و مروا کے درمیان سعی کی لذت کو دوبالا کر دیتے ہیں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہجری سال کا آغاز محرم سے ہوتا ہے تاکہ نئے سال کو مسرت و انبساط کے بے معنی اور فانی لذتوں سے ہٹا کر تجدید عہدِ وفا اور جذباتِ فدویت و ایثار سے شروع کیا جائے۔ یہی عہد کہ اعلائے کلمۂ حق کے لئے پیغمبر آخر الزماں کا ہر امتی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ اور یہی جذبہ ایثار کہ حفاظت اصول اسلام کے لئے اگر ترک وطن لازمی ہو تو منظور۔ اسے اگر پناہ گاہ سے ہٹنا پڑے تو قبول ہو۔ اگر منظم طاقتوں کی اکثریت سے اپنی اقلیت کے باوجود ٹکرانا پڑے تو ماسوا اللہ سے بے خوف ہو کر انسان ٹکرا جائے۔

غرض ہر مسلمان اپنے غیر ارادی عالم میں بھی ختمی مرتبت کے چھوٹے نواسے

سے حذر کرے کو سن کر آثار عزا و کر دیکھ کر غم و محن کی ایک لہر کو محسوس کر کے ایک عزم صمیم کرتا ہے کہ اگر خالق روح وجسد کو یہ پسند ہو کہ امر حق میں روح وجسد کا ہر تعلق منقطع ہو جائے تو ہم اس کے لئے ہر وقت تیار ہو جائیں۔

مشیت الٰہی یہ ہے کہ راہ محبت کا ہر مسافر بغیر امتحان کے نہ رہے حسب۔ الناس ان یترکوان یقول امنا وھم لا یفتنون کیا انسان یہی گمان کرتے ہیں کہ ان کو صرف اس لئے بغیر امتحان چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو ایمان دار کہتے ہیں نہیں لقد فتنا الذین من قبلھم ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور ظاہر ہے کہ

ہر کہ در بزم مقرب تر است
جام بلا بیشترش می دہند

موالید ثلاثہ کی حد آخر پر انسان کھڑا ہے۔ صاحب عقل وشعور ہے۔ حامل ہوش وحواس ہے اور اظہار انا پر مجبور۔ اگر اس انا کی نمائش میں صرف لذات دنیا کی ہوس اور غیر حق کی پرستاری مضمر ہے تو یہ انا ترقی سے محروم اور جامد ہے اور قانون الٰہی بھی اس کو ایک طویل مہلت دینے کے لئے تیار ہے اور مقصد خلقت کو پہچاننے اور انسان کو مسلسل ترقی سے آشنا کرتے ہوئے ملکوتی حدود تک پہنچانے کی کوشش میں اگر کوئی اپنی انا کو رہبری کے لئے پیش کرے تو مشیت الٰہی ہر گام پر ایک نیا امتحان لیتی ہے اور ہر نفس پر اس کو ایک نئی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

تا علاج خستگی آسائش دیگر دہد
خار بادر رہگذار رہیمان انداختہ

یہی وہ منزل ابتلاء ہے جہاں ابوالبشر ثابت قدم رہنے کی دعائیں مانگتے

ہیں اور جہاں نوحؑ سا نبی اولوالعزم اپنی قوم کے ہاتھوں حیران و پریشان نظر آتا ہے اور یہاں سے یہی وہ مقام آزمائش ہے جہاں باپ بیٹے کو تہہ تیغ رکھتا ہے اور قد صدقت الرویا وانا کذالک نجزی المحسنین کے خطاب سے سرفراز کیا جاتا ہے لیکن امتحان کے مراتب ہیں۔

طغیان ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل
آمد بزیر تیغ و شہید ش نمی کنند

اسی راہ میں یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق میں مبتلا کیا جاتا ہے اور وابیضت عیناہ من الحزن کے عنوان سے تاریخ محبت لکھی جاتی ہے یہی وہ موقف امتحان ہے جہاں پیغمبری عطا کر کے بندگی کی آزمائش مطلوب ہے

عشق یوسف را در یں کوئی زلیخا اے فروخت
بندگی خواہد بمیرز ادگی منظور نیست

اللہ اللہ یہ انہی بندوں کی آزمائش ہے جن کو قدرت نے منتخب کیا ہے اس دربار محبت میں زکریا پکار رہے ہیں رب لاتذرنی فرداً وانت خیرالوارثین اور ذوالنون پکار رہے ہیں لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

بندگی کی قدروں کو جب تولا جاتا ہے تو طشوقی دربار میں یحییٰ کا سر پیش کیا جاتا ہے اور عیسیٰ دنیا کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے صلیب تک پہنچ جاتے ہیں جوہر فرد انسانیت مقصد لولاک مطلوب الٰہی ختمی مرتبتؐ کے لئے ابتلا و آزمائش کے مراحل تھے لیکن سب سے کہیں زیادہ یہاں تک کہ ما اوذی نبیاً کما اوذیت کی حقیقت نمایاں ہوگئی۔

گذر منزل تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

سنت الٰہی اس طرح سے جاری و ساری رہی۔ انبیاء و اولیاء کا امتحان لیا جاتا رہا۔ اور راہ حق سے انحراف اور حکم انبیاء سے عدول کرنے والی قومیں قانونی نزول عذاب الٰہی کی زد میں آتی رہیں اور تباہ ہو کر رہ گئیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اعلائے کلمۂ حق کے لئے جن نفوس قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ ان کی دولت و ثروت نے نہیں ان کی حکومت و سلطنت نے نہیں بلکہ ان کے فقر و صبر و اقامت علی الحق نے ان کو ہمارے لئے قابل تقلید بنا دیا۔ نیک و بد، کذب و صدق، خلوص و ریا، حق و باطل کی پیکار میں جب کبھی بے دریغ قربانی کا وقت آیا ہے تو وہی زندگیاں ہمارے لئے نمونہ قرار پائیں۔ مقصد معین تھا لیکن اشخاص نے زندگانی کی چونکہ مقصد خود اپنے آپ کو بدون شخص متعارف نہیں کرسکتا اس لئے محیط وحی نے تقلین کو انسانی ترقی کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ فطرت انسانی کے غلط پہلو ہوس زدہ انسانوں کو جبلت اکتساب کے غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ وہ ہر قیمت پر انسان سے انسان کی بزرگی چھین لینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ ظاہر ہو کہ کسی کا جذبۂ روحانیت اہل عالم کے لئے جاذب قلب و نظر بن رہا ہے تو وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتے اور ان کی ہوسناکیوں کی قربان گاہ ایسے انسانوں کی بھی بھینٹ مانگتی ہے۔ جو دنیا کے طالب نہیں جن کو حکومت و سلطنت سے رابطہ نہیں لیکن جن کی اقامت علی الحق عام انسانوں کی نگاہوں میں ان کو ایک بلند ترین منزل عطا کرتی ہے۔ یہی وہ میدان کارزار ہے جہاں حکومت و سلطنت دوستان خدا سے ٹکراتی ہے اور ان سے مبارزت طلب ہوتی ہے اور جب علمبرداران حق اس کے جواب کے لئے مقابل میں آجاتے ہیں تو پھر حق و باطل کا معرکہ کہیں

تازہ ہو جاتا ہے ازل سے یہی ہوتا آیا ہے۔ اور یہی ہوتا رہے گا۔

ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے

وہی فطرت اسد اللہی وہی مرحبی وہی عنتری

انسانی فطرت کی پیچیدگیاں ہر دور میں تاریخ کے صفحات پر ابھر آتی ہیں اور خصوصاً جب جبلت الکتاب ظلم پر اتر آتی ہے تو پھر انسان سفک وصا اور فساد فی الارض کا عادی ہو جاتا ہے انسانیت کی اصلاح جن بندوں کے ذمہ ہے وہ سنت الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے کبھی فتنہ و پیکار کو اپنی مدافعت و مصالحت سے روکتے ہیں۔ اور کبھی خنجر بدست اور سرکف ہو کر اجتماعی زندگی میں۔ اصلاح کی یہی دو صورتیں ہیں۔ اور بنت رسولؐ فاطمہؑ زہرا کے دونوں پھولوں نے اسی شان سے اپنے فرض اصلاح کو ادا کیا حکیم مشرق نے اس مسئلہ کو یوں نظم فرمایا ہے۔

آں یکے شمع شبستان حرم

حافظِ جمعیت خیر الامم

تا نشیند آتش پیکار و کیں !

پشت پا زد بر سر تاج و نگیں

آں دگر مولا ابرار جہاں

قوت بازوئے احرار جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ

اہل حق حریت آموز از حسینؑ

دونوں بھائیوں کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا۔ اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے کسی نے جام زہر نوش فرمایا اور کسی نے زیر خنجر سجدہ معبود ادا کیا۔

سنہ جو جب رجب کا مہینہ تھا کہ فرزند رسول الثقلین نے اپنے مقصد کا

کا اعلان فرمایا اور ضریع رسالت پناہ کو تھام کر اپنے معبود کو یوں مخاطب کرنے کی عزت حاصل کی۔

خداوندا یہ تیرے نبیؐ محمدؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ خداوندا وہ وقت قریب آگیا جس کا تجھے علم ہے۔ میرے پروردگار مجھے چن لے اس مقصد کے لئے جس میں کہ تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی ہو۔

رضائے حق کے جویا نے مدینہ سے نکلتے ہوئے اپنا وصیت نامہ تحریر فرمایا آغاز وصیت میں خدائے قدوس کے ایک ہونے اور اپنے نانا کے رسول برحق ہونے کی گواہی دی اور جنت و نار حشر و نشر کی شہادت دی اور پھر یہ اعلان فرمایا۔

(ترجمہ) میں فتنہ و فساد کے لئے گھر نہیں چھوڑ رہا ہوں میں مدینے سے جارہا ہوں فقط اس لئے کہ امت جد کی اصلاح کروں۔

مدینے سے نکلتے ہوئے شاہ حجاز مدینے کے ہر انسان کو اپنے ساتھ لے کر نکل سکتے اگر ملک گیری کا خیال دامن گیر ہوتا۔

مدعا تش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے باچنیں ساماں سفر

اپنے گھر والوں کو لے کر نکلے چند کمسن بچے۔ چند بیبیاں چند نوجوان۔ پھر وہ قافلہ جو جہاد حقیقی کے لئے نکلا۔ رات کی تاریکی میں نہیں دن کے اجالے میں نکلے۔ اعلان کرکے چلے کفر کی دنیا کہتی رہ گئی کہ اگر حسینؑ اب چلے تو ان سے گرد راہ سے بھی مطالبہ بیعت ناممکن ہو جائے گا۔

اور ادھر سید الشہدا ہو نے بھی طے فرمالیا تھا کہ کسی صورت مدینہ چھوڑ دیا جائے تاکہ سوال بیعت پر اگر لڑائی چھڑ جائے تو آنے والا مورخ کہیں یہ نہ

لئے کہ فرزند رسولؐ نے روضۂ رسولؐ کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ لاکھوں مسلمان یہ سمجھتے رہے کہ مدینے سے فرزند رسولؐ نکلے ہیں شاید کہ مکہ میں قیام ہو سکے گا بے نفس امام کے ساتھ ادا ہوں گے۔ لیکن پاس حرمت کعبہ نے اس پناہ گاہ کو چھوڑنے پر بھی مجبور کیا۔ ذی الحجہ کی سات تاریخ کو آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ الہٰی توتوں اور طاقتوں پر گفتگو فرماتے ہوئے موت کے یقینی ہونے کا ذکر کیا اور پھر صاف طور پر اعلان فرمایا کہ صحرا کے درندے عراق کی سرزمین پر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں لیکن اس سے مفر نہیں کوئی اور راہ گریز نہیں پس یہ فیصلہ ہے کہ رضائے خدا رضائے اہلبیت ہم اہلبیت کی وہی مرضی ہے جو خدا کی مرضی ہے۔

یہ ہیں وہ ناموس کعبہ جنہوں نے کعبہ کا اس قدر خیال کیا لیکن کیا دنیا نے نہیں دیکھا کہ ۶۳ھ کے آخر تک طاغوتی طاقتوں اور یزیدی لشکروں نے فرزند رسولؐ کا خون بہا کر اتنی جرأت و جسارت پیدا کر لی تھی کہ ان کے آگے نہ خوابگاہ رسالت کی کوئی قدر تھی اور نہ حریم کعبہ کی دونوں مقامات کو روند ڈالا گیا۔ مسجد رسولؐ کی بے حرمتی کی گئی اور خانۂ کعبہ کے پردے کو آگ لگا دی گئی۔ فرزند رسول نے یہی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرا لہو بہا کر تم جری ہو جاؤ گے۔ تم کسی کی حرمت کا خیال نہ کرو گے اور بالآخر حرف بہ حرف وہی ہوا جو فرزند رسولؐ نے کہہ دیا تھا۔ ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے یہ قافلہ چلا۔ ۹ ذی الحجہ کو آل محمدؐ کی طرف سے پہلی قربانی کوفے کے دارالامارہ میں دی گئی اور ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیل کو عید کے دن قتل کر دیا وہ مسلم جو اگر کوفہ نہ بھیجے جاتے تو شاید کربلا کی جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن مرضی معبود یہی تھی غرض کوفہ کی طرف اس قافلہ کا رخ تھا کہ حکومت کی فوجوں نے راستے بند کر دیئے اور دشت نینوا میں فرات کے کنارے غاضریہ سے متصل کربلا کی زمین پر یہ قافلہ اترا۔ کاروان سالار نے زمین پسند کی یہیں

کا وعدہ یاد آیا اور ساتھ ناتا بھی یاد آ گئے۔ دوسری محرم تھی کہ لشکر جمع ہونے لگے اور ہر بار یہی مطالبہ کہ حسینؑ بیعت کر لیں۔ لیکن جھگڑا تو اسی بیعت پر تھا۔ مدینہ کا ملک یا شام کی زرخیز زمینیں مابہ النزاع نہیں تھیں۔ فرزند رسولؐ نے سنت الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ سر دینے آتے ہیں بیعت کرنے کے لئے نہیں۔ فرات سے خیمے جبراً ہٹا دیئے گئے۔ ساتویں سے پانی بند ہو گیا۔ گرمی کا مہینہ، بچوں کی پیاس اعدا کی کثرت، عزیزوں کی قلت، شہادت کا یقین غرض کوئی امر ایسا نہ تھا جو اس پائے ثبات کو متزلزل کر دیتا

وہ العطش کی صداؤں میں مل رہا تھا سکون
وہ ارجعی کی نداؤں میں اٹھ رہے تھے قدم

محرم کی ۶ تاریخ کو فرزند رسول بالکل گھر گئے تھے۔ ۹ کی شام آئی ایک رات کی مہلت عبادت الٰہی کے لئے مانگی۔ یعنی لشکر مخالف کو ایک رات کی اور مہلت دی کہ وہ سوچے کہ کس کے مقابل میں یہ لشکر آرائی ہو رہی ہے اسی طرح شاید کوئی حرؑ نکل آتے۔ دس کی صبح کو معرکہ کارزار گرم ہوا۔

اس معرکہ کے لئے فرزند رسولؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ مدینہ میں جنگ نہ ہو تاکہ کھلے میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہو جائے۔ خانہ کعبہ میں حج کے موقع پر کوئی لڑائی چھڑتی تو سازش کا پتہ نہ چلتا اور یہی سمجھا جاتا کہ کسی حاجی نے قتل کر دیا۔ فرزند رسولؐ یہ چاہتے تھے کہ ایک ایسے مقام پر یہ لڑائی ہو کہ کسی کو پھر شبہ باقی نہ رہے کہ کون کس طرف سے لڑ رہا ہے اور کھل جائے کہ حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ کون ہیں، اور لشکر مخالف میں کون ہیں اور ان کے معاون کون ہیں؟

تاریخ ایسی جنگ کو پھر نہ دہرا سکی۔ لشکر مخالف سے عمر سعد نے پہلا تیر چلایا ہزاروں تیر ساتھ چھوٹے۔ ۲۲ ساتھی اسی وقت جاں بلب ہو گئے۔ پھر رفیقوں کی باری آئی۔ ایک ایک نے داد رفاقت دی۔ ضعیفوں نے شباب ایمان کی

بہاریں دکھلائیں۔ جوانوں نے غنچا غنچوں کے رنگ دکھلاتے۔ بچوں نے مسکرا کر جانیں دیں۔ ۱۸ بنی ہاشم تڑپ کر مر گئے۔ جعفر طیار کے پوتے حیدر کرار کے نواسے عون و محمد شہید ہوئے جسن سبز قبا کی نشانی قاسم ابن حسن شہید ہوئے حیدر صفدر کے نور نظر مارے گئے۔ عباس ترائی سے بھر نہ اٹھے۔ علی اکبر نے داغ مفارقت دیا۔ پنجتن پاک کی پوری پوری نمائندگی تھی۔ آخر میں سرور و سردار

قافلہ سالار نائب احمد میدان میں تشریف لائے۔ آخری جنگ کی۔ اور بار بار فرماتے تھے محمد کا نواسہ ہوں فاطمہ کا بیٹا ہوں، علی کا نور نظر ہوں مجھے نہ مارو تم کو چین نہ ملے گا۔ میری رگوں میں فاطمہ کا دودھ ہے محمد کا لہو ہے بیعت مجھ سے ناممکن ہے۔ میرا بیعت کرنا یزید فاسق کے ہر امر کو تسلیم کرنا ہے مجھے اسلام کو بچانا ہے لو یہ میرا سر حاضر ہے۔

محرم کی دسویں، عصر کا وقت تھا کہ سرتا پہ قدم زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ عصر کی نماز ادا کی۔ بیعت کے لئے ہاتھ نہ اٹھے سجدۂ معبود میں سر کاٹ کر زمین سے اٹھایا گیا۔

بنگر یہ از عشق کہ دلبند بوتراب
بر خاک سجدہ رند و شہید ش ہمی کنند

یہ ہے وہ عظیم المرتبت قربانی جس کا ذکر ہر سال دہرایا جاتا ہے اس لئے کہ دنیا یزیدیت سے نہ گھبرائے۔ اس لئے کہ اقلیت اکثریت سے پریشان ہو کیونکہ زحمتوں اور مصیبتوں پر صبر و شکر سے قابو پایا جائے۔ اس یاد کو تازہ کیا جاتا ہے کہ اب بھی یزیدی طاقتیں موجود ہیں۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

ذکر حسینؑ کو باقی رکھ کر ہم کو باطل کی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا ہے مقصد یہی ہے کہ ہم بہر صورت فکر صحیح کی اشاعت کریں۔ اتحاد ملت کے لیے کوشاں ہوں اور ہر آن استحکام ملت کے لئے ساعی رہیں۔

زندہ باد حسینیت

پائندہ باد پاکستان

فخرِ ملّتِ جعفریہ

سیّد ضمیر اختر نقوی

کی کتابیں ہم سے طلب کریں

۲۱۔ حیاتِ جناب زینب کبریٰ علیہا السلام

۲۲۔ حیاتِ ام کلثوم علیہ السلام

۲۳۔ حیاتِ فاطمہؑ بنت اسد

۲۴۔ حیات حضرت فضہؑ

۲۵۔ حیاتِ شہربانوؑ

۲۶۔ حیاتِ ام لیلیٰؑ

۲۷۔ حیاتِ ام ربابؑ

۲۸۔ حیاتِ ام البنینؑ

۲۹۔ حیاتِ نرجسؑ خاتون

۳۰۔ حیاتِ اسما بنت عمیس

۳۱۔ حیاتِ جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ

۳۲۔ حیاتِ جعفر تواب

۳۳۔ حیاتِ ماریہ قبطیہ

۳۴۔ حیاتِ میثم تمار

۳۵۔ حیاتِ عمار یاسر

۳۶۔ حیاتِ قنبر

۳۷۔ حیاتِ عبداللہ ابن عباس

۳۸۔ حیاتِ زید شہید

۳۹۔ حیاتِ حضرت عباسؑ

۴۰۔ حیاتِ حضرت علی اکبرؑ

۴۱۔ حیاتِ حضرت علی اصغرؑ

۴۲۔ حیاتِ جناب قاسمؑ

۴۳۔ حیاتِ حضرت مسلمؑ بن عقیل

۴۴۔ حیاتِ حجر بن عدی

۴۵۔ حیاتِ شریح بن ہانی۔

۴۶۔ حیاتِ ابو عاصم رفاعہ بن شداد

۴۷۔ حیاتِ صعصعہ بن صوحان

۴۸۔ حیاتِ ابوالطفیل عامر

۴۹۔ حیاتِ حارث بن عبداللہ

۵۰۔ حیاتِ عبداللہ بن شداد

۵۱۔ حیاتِ زید بن صوحان

۵۲۔ حیاتِ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ

۵۳۔ حیاتِ رشید ہجری

۵۴۔ حیاتِ طرماح بن عدی

۵۵۔ حیاتِ سلمان فارسی

۵۶۔ حیاتِ ابوذر

۵۷۔ حیاتِ مقداد

۵۸۔ حیاتِ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب

۵۹۔ حیاتِ حذیفہ بن یمان

۶۰۔ حیاتِ بلال حبشی

۶۱۔ حیاتِ ابوایوب انصاری

۶۲۔ حیاتِ مالک اشتر

۶۳۔ حیاتِ جابر بن عبداللہ
۶۴۔ حیاتِ محمد حنفیہ
۶۵۔ سیرتِ مختار
۶۶۔ حیات محمد ابن ابی بکر
۶۷۔ حیاتِ ام ایمن
۶۸۔ سوانح کمیل بن زیاد
۶۹۔ سوانح سلیم بن قیس ہلالی
۷۰۔ حیاتِ سعید بن قیس
۷۱۔ سوانح عبدالمطلب
۷۲۔ تاریخ اذان
۷۳۔ تاریخ فدک
۷۴۔ اسلام اور بنی امیہ
۷۵۔ تجارت اور اسلام
۷۶۔ حدیث قرطاس وقلم
۷۷۔ ابوسفیان اور مسلمان
۷۸۔ تاریخ خانۂ کعبہ
۷۹۔ تاریخ کربلا
۸۰۔ مسئلہ تقیہ
۸۱۔ تاریخ تشیع
۸۲۔ غدیر خم کی اہمیت
۸۳۔ عظمتِ مباہلہ
۸۴۔ سوانح دعبل خزاعی شاعر اہلبیتؑ
۸۵۔ سوانح فرزدق شاعرِ آل محمد
۸۶۔ سوانح بدیل خزاعی
۸۷۔ حیاتِ حبیبؑ ابن مظاہر
۸۸۔ حیاتِ زہیر قین
۸۹۔ حیاتِ مسلم ابن عوسجہ
۹۰۔ حیاتِ حر بن یزید ریاحی
۹۱۔ حیاتِ ہانی بن عروہ
۹۲۔ حیاتِ شبیب بن عبداللہ
۹۳۔ حیاتِ انس بن حارث
۹۴۔ حیاتِ ابوثمامہ
۹۵۔ حیاتِ جون غلام ابوذر غفاری
۹۶۔ حیاتِ عبداللہ بن عمیر کلبی
۹۷۔ حیاتِ منجح بن سہم
۹۸۔ حیات بریر ہمدانی
۹۹۔ حیاتِ عابس بن ابی شبیب
۱۰۰۔ حیاتِ ہلال ابن نافع
۱۰۱۔ حیاتِ شوذب ابن عبداللہ ہمدانی
۱۰۲۔ حیاتِ سوید بن عمر خثعمی
۱۰۳۔ حیات ام وہب بنت عبد
۱۰۴۔ تاریخ ذوالجناح

۱۰۵۔ تاریخِ ذوالفقار
۱۰۶۔ تاریخِ زیارات
۱۰۷۔ حیاتِ قیس بن سعد انصاری
۱۰۸۔ حیاتِ سارہ بنتِ حلیمہ
۱۰۹۔ حیاتِ ام الخیر یا رقیہ
۱۱۰۔ حیاتِ سودہ بنتِ عمارہ
۱۱۱۔ حیاتِ اروئی بنتِ حارث
۱۱۲۔ کربلا میں اولادِ عقیل کی قربانیاں
۱۱۳۔ واقعۂ کربلا قرآن کی روشنی میں
۱۱۴۔ تاریخِ عزاداری
۱۱۵۔ تاریخِ خطابت
۱۱۶۔ تاریخِ سوز خوانی
۱۱۷۔ تاریخِ ماتم و نوحہ

ادارۂ مرکزِ علومِ اسلامیہ کو مندرجہ ذیل حضرات کا تعاون و اشتراک حاصل ہے

۱۔ جناب ضمیر اختر نقوی
۲۔ جناب ناصر رضا رضوی
۳۔ جناب ریاض حسین زیدی
۴۔ جناب محسن اختر نقوی
۵۔ جناب حسنین ریاض زیدی
۶۔ جناب حیدر عباس رضوی
۷۔ جناب ماجد حسین رضوی

ہمارے ادارے کے ممبر بن کر نصرتِ امامؑ میں حصہ لیجیے۔

شکریہ

علامہ رشید ترابی کی زیرِ اشاعت مجلسیں

• مجالسِ ترابی (جلد دوئم)

دو مکمل عشرے۔ بعنوان "علم معصوم" (دس تقاریر) اور "کفرانِ نعمت" (دس تقاریر)
پورے مجموعے تقاریر میں بیس تقاریر ہیں۔ مدینے سے امام حسینؑ کا سفر اور اہلِ حرم کی مدینے واپسی تک مکمل مصائب
اور بہترین فضائلِ آلِ محمدؐ آیاتِ قرآن کی روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قیمت: -/۲۵ روپے

• مجالسِ ترابی (جلد سوئم)

دو مکمل عشرے۔ بعنوان "حیاتِ ختمی مرتبت کس طرح لکھی جائے" (دس تقاریر) اور "وصیتِ مرتضویؑ" (دس تقاریر)
پورے مجموعے تقاریر میں بیس تقاریر شامل ہیں۔ بہترین فضائلِ آلِ محمدؐ اور پر اثر مصائب آیاتِ قرآن کی
روشنی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قیمت: -/۲۵ روپے

• مجالسِ ترابی (جلد چہارم)

دو مکمل عشرے۔ بعنوان "قوتِ علم" (دس تقاریر) اور "تزکیہ معرفت" (دس تقاریر) پورے مجموعہ تقاریر میں بیس تقاریر ہیں۔ واقعاتِ
کربلا اور مصائب بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قیمت: -/۲۵ روپے

• مجالسِ ترابی (جلد پنجم)

دو مکمل عشرے۔ بعنوان "توحید اور شرک" (دس تقاریر) اور "سیاستِ حقیقیہ" (دس تقاریر) پورے مجموعہ تقاریر میں بیس تقاریر ہیں۔
شہدائے کربلا کی مکمل سیرت اور اہلِ حرم کے واقعات کا بیان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قیمت: -/۲۵ روپے

• مجالسِ ترابی (جلد ششم)

دو مکمل عشرے۔ بعنوان "قیامت اور قرآن" (دس تقاریر) اور "حقیقتِ ولایت" (دس تقاریر) پورے مجموعہ تقاریر میں بیس تقاریر ہیں۔ پاکستان کے
ممتاز ادیب اور خطیب سید ضمیر اختر نقوی کے بہترین مقدمات بھی شامل ہیں تاکہ علامہ رشید ترابی کے
فنِ خطابت کے جوہر اور شخصیت کا تجزیہ ہو جائے۔

Printed by Real Printers ph. 213562